شیعہ جواب دیتے ہیں

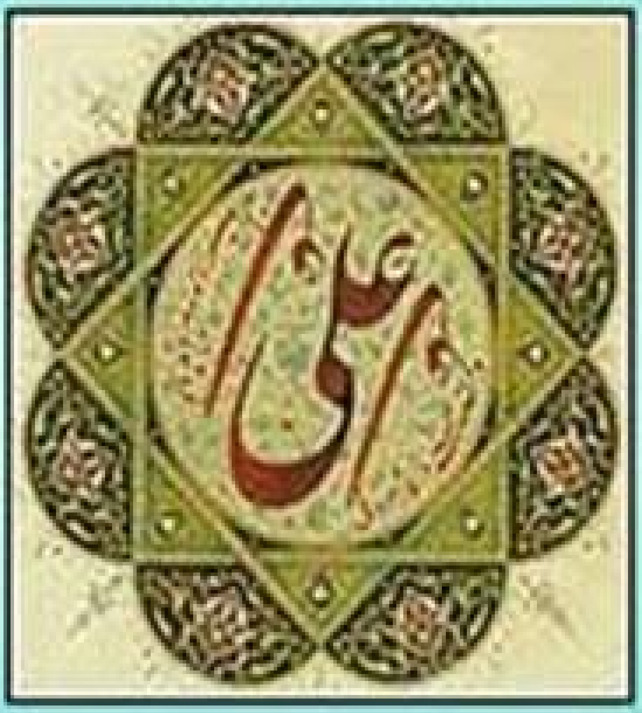

آیۃ اللہ سید رضا حسینی نسب
مترجم : عمران مہدی

یہ کتاب برقی شکل میں نشرہوئی ہے اور شبکہ الامامین الحسنین (علیہما السلام) کے گروہ علمی کی نگرانی میں تنظیم ہوئی ہے

شیعہ جواب دیتے ہیں

سید رضا حسینی نسب

مترجم: عمران مہدی

مجمع جہانی اہل بیت (ع)

قال رسول الله ﷺ : "انّی تارک فیکم الثقلین، کتاب اللہ، وعترتی أهل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلّوا أبداً وانّھما لن یفترقا حتّیٰ یردا علّی الحوض"۔

حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں: (ایک) کتاب خدا اور (دوسری) میری عترت اہل بیت (علیہم السلام)، اگر تم انھیں اختیار کئے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں"۔

(صحیح مسلم: 1227، سنن دارمی: 4322، مسند احمد: ج3، 14، 17، 26، 59. 3664 و 371. 1825 ، اور 189، مستدرک حاکم: 1093، 148، 533. و غیرہ.)

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچے و کلیاں رنگ و نکھار پیدا کرلیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ و موسس سرورکائنات حضرت محمد مصطفی ﷺ غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمۂ حق و حقیقت سے سیراب کردیا، آپ کے تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے 23 برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑ گئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہبِ عقل و آگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگرچہ رسول اسلام ﷺ کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیرووں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردئی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار و نظریات سے متاثر اسلام و قرآن مخالف فکری و نظری موجوں کی زدپر اپنی حق آگین تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشتپناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت و اقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامراں زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین وبے تاب ہیں، یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشرو اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھاکر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

(عالمی اہل بیت کونسل) مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیت عصمت و طہارت کے پیرووں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہوسکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیت عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوت ﷺ و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خوں خواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں ، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل علاّم آقای سید رضا حسینی نسب کی گرانقدر کتاب (شیعہ پاسخ می دھد) کو مولانا عمران مہدی نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں ،اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت،

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

پیش گفتار

عالم اسلام کے موجودہ حالات سے باخبر حضرات یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ آج امت اسلامیہ کئی "امتوں "میں بٹی ہوئی ہے ۔اور ہر امت خاص نظریات اور رسومات کی پابند ہے جسکے نتیجہ میں ان کی زندگی کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی ہے کہ جن کی بقا کا راز ہی مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے میں ہے اور وہ اپنے اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے مختلف طریقوں سے سرمایہ گزاری کرتے ہیں اور اس کیلئے ہر ممکن وسیلے کو بروئے کار لاتے ہیں ۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلامی فرقوں کے درمیان چند اختلافی مسائل ضرور پائے جاتے ہیں اگرچہ ان اختلافی مسائل کا تعلق علم کلام کے ایسے مسائل سے ہے جن کے موجد خود اسلامی متکلمین ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت ان سے آگاہ تک نہیں ہے۔اور یہ بالکل طے شدہ بات ہے کہ مسلمانوں کے درمیان ان اختلافی مسائل سے کہیں زیادہ اہم ، مشترک نکات بھی پائے جاتے ہیں کہ جنہوں نے انہیں ایک دوسرے سے جوڑ رکھا ہے لیکن اختلاف ڈالنے والے افراد، اصول اور فروع میں موجود ان مشترک نکات کو چھوڑ کر صرف اختلافی مسائل کو ہی بیان کرتے ہیں ۔

"اتحاد بین المسلمین"کی ایک کانفرنس میں انفرادی مسائل (جیسے نکاح ، طلاق اور میراث وغیرہ ہیں) سے متعلق اسلامی مذاہب کے فقہی نظریات کا بیان میرے سپرد کیا گیا تھا چنانچہ میں نے اس کانفرنس میں ان موضوعات کے متعلق ایک تحقیقی رسالہ پیش کیا کہ جس نے تمام شرکاء کو تعجب میں ڈال دیا اس رسالہ کے مطالعہ سے پہلے کسی کے لئے ہرگز یہ بات قابل قبول نہ تھی کہ فقہ شیعہ ان تینوں موضوعات کے اکثر مسائل میں اہل سنت کے موجودہ چاروں مذاہب سے موافقت رکھتی ہے ۔

یہ اختلاف ڈالنے والے افراد، شیعوں کو دوسرے اسلامی فرقوں سے جدا سمجھتے ہیں اور شب و روز اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اس مظلوم فرقے کے خلاف سرگرم عمل ہیں ۔ یہ لوگ اپنے ان کاموں کے ذریعہ اپنے مشترکہ دشمن کی خدمت کررہے ہیں ان ناآگاہ افراد کو میری یہ نصیحت ہے کہ وہ شیعوں سے بھائی چارے ، اور ان کے علماء اور دانشوروں سے رابطے کے ذریعہ اپنی آنکھوں سے ناآگاہی کے پردے ہٹا دیں اور شیعوں کو اپنا دینی بھائی سمجھیں اور اس طرح وہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت کے مصداق قرار پائیں:

إِنَّ هٰذِهِأُ مَّتُكُمْ مَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُون

استعمار کے پرانے حربوں میں سے ایک حربہ مسلمانوں کے درمیان طرح طرح کے شبہات اور اعتراضات پیدا کرنا رہا ہے تاکہ وہ اس طرح ایران کے اسلامی انقلاب کو نقصان پہنچا سکیں اور یہ وہ پرانا حربہ ہے جو آخری چند صدیوں میں مشرق وسطیٰ اور دوسرے علاقوں میں مختلف صورتوں میں رائج رہا ہے

حج کے موقع پر بہت سے حجاج کرام اسلامی انقلاب سے آشنائی حاصل کرتے ہیں مگر دوسری طرف سے دشمنوں کی غلط تبلیغات ان کے اذہان کو تشویش میں بتلا کردیتی ہیں اور وہ حجاج جب ایرانی حجاج سے ملتے ہیں تو ان سے ان سوالات کے جوابات کا مطالبہ کرتے ہیں ۔ آپ کے ہاتھوں میں موجود یہ کتاب دینی اور ثقافتی مسائل سے متعلق انہی سوالوں کا جواب دینے کی خاطر تحریر کی گئی ہے۔اس کتاب کو میری نگرانی میں محترم جناب سید رضا حسینی نسب نے ان سوالوں کا جواب دینے کے لئے منظم انداز سے تحریر کیا ہے ۔ البتہ اختصار کی خاطر ضرورت کے مطابق مختصر جوابات ہی پیش کئے گئے ہیں مزید تفصیلات کسی اور مقام پر پیش کی جائیں گی ۔

امید ہے کہ یہ ناچیز خدمت امام زمانہ (ارواحنالہ الفدائ)کی بارگاہ میں مورد قبول قرار پائے گی ۔

جعفر سبحانی

حوزئہ علمیہ قم

22نومبر1994ئ

پہلا سوال

''وعترتی اہل بیتی'' صحیح ہے یا ''وسنتی''؟

حدیث ثقلین ایک بے حد مشہور حدیث ہے جسے محدثین نے اپنی کتابوں میں ان دو طریقوں سے نقل کیا ہے :

الف:''کتاب اللہ و عترت أہل بیت"

ب:''کتاب اللہ و سنت"

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دو میں سے کونسی حدیث صحیح ہے ؟

جواب: پیغمبر اسلام ﷺ سے جو حدیث صحیح اور معتبر طریقے سے نقل ہوئی ہے اس میں لفظ "اہل بیتی" آیا ہے. اور وہ روایت جس میں "اہل بیتی" کی جگہ "سنتی" آیا ہے وہ سند کے اعتبار سے باطل اور ناقابل قبول ہے ہاں جس حدیث میں "واہل بیتی" ہے اس کی سند مکمل طور پر صحیح ہے.

حدیث ''واہل بیتی'' کی سند

اس مضمون کی حدیث کو دو بزرگ محدثوں نے نقل کیا ہے :

1۔ مسلم ،اپنی صحیح میں زید بن ارقم سے نقل کرتے ہیں : ایک دن پیغمبر اکرم ﷺ نے ایک ایسے تالاب کے کنارے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کا نام "خم" تھا یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع تھا اس خطبے میں آپ ﷺ نے خداوندکریم کی حمدو ثنا کے بعد لوگوں کو نصیحت فرمائی اوریوں فرمایا:

"ألاٰ أیّهاالناس ، فاِنما أنا بشر یوشک أن یأت رسول رب فأجیب وأنا تارک فیکم الثقلین. أولهما کتاب الله فیه الهدی والنور ، فخذوا کتاب الله واستمسکوا به ، فحث علی کتاب الله ورغب فیه ثم قال: وأهل بیت أُذکرکم الله ف أهل بیت . أُذکرکم الله ف أهل بیت . أُذکرکم الله ف أهل بیت."[1]

اے لوگو! بے شک میں ایک بشر ہوںاور قریب ہے کہ میرے پروردگار کا بھیجا ہوا نمائندہ آئے اور میں اس کی دعوت قبول کروں میں تمہارے درمیان دو وزنی چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک کتاب خدا ہے جس میں ہدایت اور نور ہے کتاب خدا کو لے لو اور اسے تھامے رکھو اور پھر پیغمبر اسلام ﷺ نے کتاب خدا پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی اور اس کی جانب رغبت دلائی اس کے بعد یوں

---

(1) صحیح مسلم جلد4 ص1803حدیث نمبر2408طبع عبدالباقی

فرمایا اور دوسرے میرے اہل بیت ہیں . اپنے اہل بیت کے سلسلے میں ، میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں اور اس جملے کی تین مرتبہ تکرار فرمائی.

اس حدیث کے متن کو دارمی نے بھی اپنی کتاب سنن[1] میں نقل کیا ہے. پس کہنا چاہیئے کہ حدیث ثقلین کے مذکورہ فقرے کیلئے یہ دونوں ہی سندیں روز روشن کی طرح واضح ہیں اور ان میں کوئی خدشہ نہیں ہے.

2۔ ترمذی نے اس حدیث کے متن کو لفظ "عترتی اهل بیتی" کے ساتھ نقل کیا ہے: متنِ حدیث اس طرح ہے:

"اِنّی تارک فیکم ما اِن تمسکتم به لن تضلوا بعدی ، أحدهما أعظم من الاخر : کتاب الله حبل ممدود من السماء اِلی الأرض و عترتی أهل بیتی ، لن یفترقا حتی یردا علیَّ الحوض فانظروا کیف تخلفون فیهما"[1]

میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم ان سے متمسک رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہو گے ، ان دو چیزوں میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے ، کتاب خدا ایک ایسی رسی ہے جو آسمان

---

(1) سنن دارمی جلد2 ص 431،432

(2) سنن ترمذی جلد5ص663نمبر37788

سے زمین تک آویزاں ہے اور دوسرے میرے اہل بیت ہیں . اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثرپر مجھ سے آملیں. لہذا یہ دیکھنا کہ تم میرے بعد ان کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرتے ہو.

صحیح کے مؤلف مسلم اور سنن کے مؤلف ترمذی نے لفظ "اہل بیتی "پرزور دیا ہے اوریہی مطلب ہمارے نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے یہی نہیں بلکہ ان کی نقل کردہ سندیں پوری طرح سے قابل اعتماد اور خصوصی طور پر معتبر مانی گئی ہیں .

لفظ ''و سنتی'' والی حدیث کی سند

وہ روایت کہ جس میں لفظ" اہل بیتی "کی جگہ "سنتی" آیا ہے جعلی ہے. اس کی سند ضعیف ہے اور اسے اموی حکومت کے درباریوں نے گھڑا ہے.

1۔ حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب مستدرک میں مذکورہ مضمون کو ذیل کی سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے.

"عباس بن أبی أویس" عن "أبی أویس" عن "ثور بن زيدالديلم"عن "عكرمه" عن "ابن عباس" قال رسول الله :"يا أيّها الناس اِنّی قد تركت فيكم ، اِن اعتصمتم به فلن تضلوا أبداً كتاب الله و سنة نبيه."

اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان دو چیزوں کو چھوڑا ہے اگر تم نے ان دونوں کو تھامے رکھا تو ہر گز گمراہ نہ ہو گے. اور وہ کتاب خدا اور سنت پیغمبر ﷺ ہیں.[1]

اس حدیث کے اس مضمون کے راویوں کے درمیان ایک ایسے باپ بیٹے ہیں جو سند کی دنیا میں آفت شمار ہوتے ہیں وہ باپ بیٹے اسماعیل بن ابی اویس اور ابو اویس ہیں کسی نے بھی ان کے موثق ہونے کی شہادت نہیں دی ہے بلکہ ان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ یہ دونوں جھوٹے اور حدیثیں گھڑنے والے تھے.

ان دو کے بارے میں علمائے رجال کا نظریہ

حافظ مزی نے اپنی کتاب تہذیب الکمال میں اسماعیل اور اس کے باپ کے بارے میں علم رجال کے محققین کا نظریہ اس طرح نقل کیا ہے: یحییٰ بن معین (جن کا شمار علم رجال کے بزرگ علماء میں ہوتا ہے) کہتے ہیں کہ ابو اویس اور ان کا بیٹا دونوں ہی ضعیف ہیں.

اسی طرح یحییٰ بن معین سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ یہ دونوں حدیث کے چور تھے۔ ابن معین سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ابو اویس کے بیٹے پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا.

ابو اویس کے بیٹے کے بارے میں نسائی کہتے تھے کہ وہ ضعیف اور ناقابل اعتماد ہے.

---

(1)حاکم مستدرک جلد نمبر1 ص93

ابو القاسم لالکائی نے لکھا ہے کہ "نسائی" نے اس کے خلاف بہت سی باتیں کہی ہیں اور یہاں تک کہا ہے کہ اس کی حدیثوں کو چھوڑ دیا جائے.

ابن عدی (جو کہ علماء رجال میں سے ہیں) کہتے ہیں کہ ابن ابی اویس نے اپنے ماموں مالک سے ایسی عجیب و غریب روایتیں نقل کی ہیں جن کو ماننے کے لئے کوئی بھی تیار نہیں ہے[1]

ابن حجر اپنی کتاب فتح الباری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں ، ابن ابی اویس کی حدیث سے ہر گز حجت قائم نہیں کی جاسکتی ، چونکہ نسائی نے اس کی مذمت کی ہے.[2]

حافظ سید احمد بن صدیق اپنی کتاب فتح الملک العلی میں سلمہ بن شیب سے اسماعیل بن ابی اویس کے بارے میں نقل کرتے ہیں ، سلمہ بن شیب کہتے ہیں کہ میں نے خود اسماعیل بن ابی اویس سے سنا ہے کہ وہ کہہ رہا تھا : جب میں یہ دیکھتا کہ مدینہ والے کسی مسئلے میں اختلاف کر کے دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں تو اس وقت میں حدیث گھڑ لیتا تھا .[3]

اس اعتبار سے اسماعیل بن ابی اویس کا جرم یہ ہے کہ وہ حدیثیں گھڑتا تھا ابن معین نے کہا ہے کہ وہ جھوٹا تھا اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کی حدیث کو نہ تو صحیح مسلم نے نقل کیا ہے

---

(1) حافظ مزی ، کتاب تھذیب الکمال ج 3 ص 127

(2) مقدمہ فتح الباری ابن حجر عسقلانی ص 391 طبع دار المعرفۃ

(3) کتاب فتح الملک العلی ، حافظ سید احمد ص 15

اور نہ ہی ترمذی نے ، اور نہ ہی دوسری کتب صحاح میں اس کی حدیث کو نقل کیا گیا ہے.

اور اسی طرح ابو اویس کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ ابو حاتم رازی نے اپنی کتاب "جرح و تعدیل" میں اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ابو اویس کی حدیثیں کتابوں میں لکھی تو جاتی ہیں مگر ان سے حجت قائم نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس کی حدیثیں قوی اور محکم نہیں ہیں [1]

اسی طرح ابو حاتم نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ ابو اویس قابل اعتماد نہیں ہے.

جب وہ روایت صحیح نہیں ہو سکتی جس کی سند میں یہ دو افراد ہوں تو پھر اس روایت کا کیا حال ہوگا جو ایک صحیح اور قابل عمل روایت کی مخالف ہو.

یہاں پر قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اس حدیث کے ناقل حاکم نیشاپوری نے خود اس حدیث کے ضعیف ہونے کا اعتراف کیا ہے اسی وجہ سے انہوں نے اس حدیث کی سند کی تصحیح نہیں کی ہے لیکن اس حدیث کے صحیح ہونے کے لئے ایک گواہ لائے ہیں جو خود سند کے اعتبار سے کمزور اور ناقابل اعتبار ہے اسی وجہ سے یہ شاہد حدیث کو تقویت دینے کے بجائے اس کو اور ضعیف بنا رہا ہے اب ہم یہاں ان کے لائے ہوئے فضول گواہ کو درج ذیل عنوان کی صورت میں ذکر کرتے ہیں :

---

(1) الجرح و التعدیل جلد 5 ص 92 ابو حاتم رازی

حدیث ''و سنتی'' کی دوسری سند

حاکم نیشاپوری نے اس حدیث کو ابو ہریرہ سے مرفوع [1]طریقہ سے ایک ایسی سند کے ساتھ جسے ہم بعد میں پیش کریں گےیوں نقل کیا ہے:

اِن قد ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدھما : کتاب اللہ و سنت و لن یفترقا حتی یردا علّی الحوض. [2]

اس متن کو حاکم نیشاپوری نے درج ذیل سلسلہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے:

"الضب" عن "صالح بن موسیٰ الطلح" عن "عبد العزیز بن رفیع" عن "أب صالح" عن "أب ہریرہ"

یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی طرح جعلی ہے. اس حدیث کے سلسلہ سند میں صالح بن موسی الطلحی نامی شخص ہے جس کے بارے میں ہم علم رجال کے بزرگ علماء کے نظریات کو یہاں بیان کرتے ہیں :

یحییٰ بن معین کہتے ہیں : کہ صالح بن موسیٰ قابل اعتماد نہیں ہے. ابو حاتم رازی کہتے ہیں ، اس کی حدیث ضعیف اور ناقابل قبول ہے اس نے بہت سے موثق و معتبر

---

(1)حدیث مرفوع: ایسی حدیث کو کہا جاتا ہے جس کی سند سے ایک یا کئی افراد حذف ہوں اور ان کی جگہ کلمہ "رفعہ" استعمال کردیا گیا ہوتو ایسی حدیث ضعیف ہوگی.(مترجم)

(2) حاکم مستدرک جلد 1 ص 93

افراد کی طرف نسبت دے کر بہت سی ناقابل قبول احادیث کو نقل کیا ہے.

نسائیؒ کہتے ہیں کہ صالح بن موسیٰ کی نقل کردہ احادیث لکھنے کے قابل نہیں ہیں، ایک اور مقام پر کہتے ہیں کہ اس کی نقل کردہ احادیث متروک ہیں.[1]

ابن حجر اپنی کتاب " تھذیب التھذیب" میں لکھتے ہیں : ابن حِبانؒ کہتے ہیں : کہ صالح بن موسیٰ موثق افراد کی طرف ایسی باتوں کی نسبت دیتا ہے جو ذرا بھی ان کی باتوں سے مشابہت نہیں رکھتیں سر انجام اس کے بارے میں یوں کہتے ہیں : اس کی حدیث نہ تو دلیل بن سکتی ہے اور نہ ہی اس کی حدیث حجت ہے ابو نعیم اس کے بارے میں یوں کہتے ہیں : اس کی حدیث متروک ہے۔وہ ہمیشہ ناقابل قبول حدیثیں نقل کرتا تھا[2]

اسی طرح ابن حجر اپنی کتاب تقریب[3] میں کہتے ہیں کہ اس کی حدیث متروک ہے اسی طرح ذہبی نے اپنی کتاب کاشف[4] میں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ صالح بن موسیٰ کی حدیث ضعیف ہے.

یہاں تک کہ ذہبی نے صالح بن موسیٰ کی اسی حدیث کو اپنی کتاب "میزان الاعتدال"
میں ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ صالح بن موسیٰ کی نقل کردہ یہ حدیث اس کی ناقابل قبول احادیث میں سے ہے.[5]

---

(1)تہذیب الکمال جلد13 ص96 حافظ مزی.

(2)تہذیب التہذیب جلد4 ص355، ابن حجر

(3)ترجمہ تقریب، نمبر2891، ابن حجر

(4)ترجمہ الکاشف، نمبر2412 ذہبی

(5)میزان الاعتدال جلد2 ص302 ذہبی

حدیث ''وسنتی''کی تیسری سند

ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "تمہید"[1] میں اس حدیث کے متن کو درج ذیل سلسلہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے.

"عبدالرحمن بن یحییٰ" عن "احمد بن سعید" عن "محمد بن ابراهیم الدبیل" عن "علی بن زید الفرائض" عن "الحنین" عن "کثیر بن عبدالله بن عمرو بن عوف" عن "أبیه" عن "جده".

امام شافعی نے کثیر بن عبداللہ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ جھوٹ کے ارکان میں سے ایک رکن تھا۔ [2]

ابوداؤد کہتے ہیں کہ وہ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والے افراد میں سے تھا.[3]

ابن حبان اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ عبداللہ بن کثیر نے حدیث کی جو کتاب اپنے باپ اور دادا سے نقل کی ہے اس کی بنیاد جعل حدیث پر ہے اس کی کتاب سے کچھ نقل کرنا اور عبداللہ بن کثیر سے روایت لینا قطعا حرام ہے صرف اس صورت میں صحیح ہے کہ اس کی بات کو تعجب کے طور پر یا تنقید کرنے کے لئے نقل کیا جائے. [4]

---

(1) التمہید، جلد 24 ص 331

(2) تھذیب التھذیب جلد 8 ص 377 (دارالفکر) اور تھذیب الکمال جلد 24 ص 138

(3) گزشتہ کتابوں سے مأخوذ

(4) المجروحین، جلد 2 ص 221 ابن حبان

نسائیٔ اور دارقطنی کہتے ہیں : اس کی حدیث متروک ہے امام احمد کہتے ہیں : کہ وہ معتبر راوی نہیں ہے اور اعتماد کے لائق نہیں ہے.

اسی طرح اس کے بارے میں ابن معین کا بھی یہی نظریہ ہے تعجب انگیز بات تو یہ ہے کہ ابن حجر نے "التقریب" کے ترجمہ میں صالح بن موسیٰ کو فقط ضعیف کہنے پر اکتفاء کیا ہے اور صالح بن موسیٰ کو جھوٹا کہنے والوںکو شدت پسند قرار دیا ہے، حالانکہ علمائے رجال نے اس کے بارے میں جھوٹا اور حدیثیں گھڑنے والا جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں یہاں تک کہ ذھبی اس کے بارے میں کہتے ہیں : اس کی باتیں باطل اور ضعیف ہیں.

سند کے بغیر متن کا نقل

امام مالک نے اسی متن کو کتاب "الموطا"[1] میں سند کے بغیر اور بصورت مرسل[2] نقل کیا ہے جبکہ ہم سب جانتے ہیں کہ اس قسم کی حدیث کوئی حیثیت نہیں رکھتی اس تحقیق سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث جس میں "وسنتی" ہے وہ جعلی اور من گھڑت ہے اور اسے جھوٹے راویوں اور اموی حکومت کے درباریوں نے "وعترتی" کے کلمہ والی صحیح حدیث کے مقابلے میں گھڑا ہے لہذا مساجد کے خطباء ،

---

(1) الموطا ، مالک ص 889 حدیث 3

(2)روایت مرسل : ایسی روایت کو کہا جاتا ہے جس کے سلسلہ سند سے کوئی راوی حذف ہو جیسے کہا جائے "عن رجل" یا عن بعض اصحابنا تو ایسی روایت مرسلہ ہوگی(مترجم)

مقررین اور ائمہ جماعت حضرات کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس حدیث کوچھوڑ دیںجو رسول ﷺ نے بیان نہیں کی ہے بلکہ اس کی جگہ صحیح حدیث سے لوگوں کو آشنا کریں. اور وہ حدیث جسے مسلم نے اپنی کتاب "صحیح" میں لفظ "و اہل بیتی" کے ساتھ اور ترمذی نے لفظ "عترتی و اہل بیتی" کے ساتھ نقل کیا ہے اسے لوگوںکے سامنے بیان کریں اسی طرح علم ودانش کے متلاشی افراد کے لئے ضروری ہے کہ علم حدیث سیکھیں تاکہ صحیح اور ضعیف حدیث کو ایک دوسرے سے جدا کرسکیں.

آخر میں ہم یہ یاددلا دیں کہ حدیث ثقلین میں لفظ "اہل بیتی" سے پیغمبر اسلام ﷺ کی مراد حضرت علی اور وہ حضرت فاطمہ زہرا، حضرت امام حسن اورحضرت امام حسین ہیں ۔

کیونکہ مسلم نے[1] اپنی کتاب صحیح میں اور ترمذی نے [2] اپنی کتاب سنن میں حضرت عائشہ سے اس طرح نقل کیا ہے:

نزلت هذه الآية علىٰ النبی .(اِنّما يريدُ اللہُ ليذهبَ عَنْكم الرجْسَ أهْلَ البيتِ و يُطّهركم تطهيراً)فی بيت أم سلمة فدعا النبی فاطمة و حسناً و حسيناً فجللهم بكساءٍ و عَلّى خلف

---

(1) صحیح مسلم جلد 4 ص 1883 ح 2424

(2)ترمذی جلد 5 ص 663

ظهره فجلّله بكساء ثم قال : أللّهم هٰؤلاءِ أهل بيت فأذهبعنهم الرجس و طهرهم تطهيرا. قالت أم سلمة و أنا معهم يا نبی الله؟ قال أنتِ علیٰ مكانک و أنتِ اِلی الخير.[1]

یہ آیت(اِنّما يريدالله لیذهبَ عَنْکم الرِجْسَ اَهْلَ البيتِ و يُطَهِّرکم تطهيراً)ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی ہے پیغمبر اسلام ﷺ نے فاطمہ، حسن و حسین کو اپنی عبا کے اندر لے لیا اس وقت علی آنحضرت ﷺ کے پیچھے تھے آپ نے ان کو بھی چادر کے اندر بلا لیا اور فرمایا : اے میرے پروردگار یہ میرے اہل بیت ہیں پلیدیوں کو ان سے دور رکھ اور ان کو پاک وپاکیزہ قرار دے۔ ام سلمہ نے کہا : اے پیغمبر خدا ﷺ کیا میں بھی ان میں سے ہوں(یعنی آیت میں جو لفظ اہل بیت آیا ہے میں بھی اس میں شامل ہوں؟)پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا تم اپنی جگہ پر ہی رہو (عبا کے نیچے مت آؤ) اور تم نیکی کے راستے پر ہو۔"

حدیث ثقلین کا مفہوم

چونکہ رسول اسلام نے عترت کو قرآن کا ہم پلہ قرار دیا ہے اور دونوں کو امت کے

---

(1)اقتباس از حسن بن علی السقاف صحیح صفۃ صلاۃ النبی ﷺ ص294۔289

درمیان حجت خدا قرار دیا ہے لہٰذا اس سے دو نتیجے نکلتے ہیں :

1۔ قرآن کی طرح عترت رسول ﷺ کا کلام بھی حجت ہے اور تمام دینی امور خواہ وہ عقیدے سے متعلق ہوں یا فقہ سے متعلق ان سب میں ضروری ہے کہ ان کے کلام سے
تمسک کیا جائے ، اور ان کی طرف سے دلیل و رہنمائی مل جانے کے بعد ان سے روگردانی کرکے کسی اور کی طرف نہیں جانا چاہیئے.

پیغمبر خدا ﷺ کی وفات کے بعد مسلمان خلافت اور امت کے سیاسی امور کی رہبری کے مسئلہ میں دو گروہوں میں بٹ گئے اور ہر گروہ اپنی بات کو حق ثابت کرنے کے لئے دلیل پیش کرنے لگا اگرچہ مسلمانوں کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے مگر اہل بیت کی علمی مرجعیت کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں کیا جاسکتا .

کیونکہ سارے مسلمان حدیث ثقلین کے صحیح ہونے پر متفق ہیں اور یہ حدیث عقائد اور احکام میں قرآن اور عترت کو مرجع قرار دیتی ہے اگر امت اسلامی اس حدیث پر عمل کرتی تو اس کے درمیان اختلاف کا دائرہ محدود اور وحدت کا دائرہ وسیع ہوجاتا.

2۔ قرآن مجید، کلام خدا ہونے کے لحاظ سے ہر قسم کی خطا اور غلطی سے محفوظ ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس میں خطا اور غلطی کا احتمال دیا جائے جبکہ خداوند کریم نے اس کی یوں توصیف کی ہے:

(لاٰيَاْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلاٰمِنْ خَلْفِهِ تَنزِيل مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ)[1]

"باطل نہ اس کے آگے سے آتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے اور یہ حکیم و حمید خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے."

اگر قرآن مجید ہر قسم کی خطا سے محفوظ ہے تو اس کے ہم رتبہ اور ہم پلہ افراد بھی ہر قسم
کی خطا سے محفوظ ہیں کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے کہ ایک یا کئی خطاکار افراد قرآن مجید کے ہم پلہ اور ہم وزن قرار پائیں۔ یہ حدیث گواہ ہے کہ وہ افراد ہر قسم کی لغزش اور خطا سے محفوظ اور معصوم ہیں البتہ یہ بات ملحوظ رہے کہ عصمت کا لازمہ نبوت نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی معصوم ہو لیکن نبی نہ ہو جیسے حضرت مریم اس آیۂ شریفہ :

إِنَّ اللہ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ)[2]

(اے مریم !) خدا نے تمہیں چن لیا اور پاکیزہ بنادیا ہے اور عالمین کی عورتوں میں منتخب قرار دیا ہے ۔

کے مطابق گناہ سے تو پاک ہیں لیکن پیغمبر نہیں ہیں ۔

---

(1)سورہ فصلت آیت 42

(2) سورہ آل عمران آیت 42

دوسرا سوال

شیعہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: عربی لغت میں "شیعہ" کے معنی ہیں پیروی کرنے والا جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:

(وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيم)[1]

اور یقینا ان (نوح) کے پیروکاروں میں سے ابراہیم بھی ہیں۔

لیکن مسلمانوں کی اصطلاح میں شیعہ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے اپنی وفات سے قبل کئی موقعوں پر اپنے جانشین اور خلیفہ کا اعلان فرمایا تھا ان ہی موقعوں میں سے ایک ہجرت کے دسویں سال کی اٹھارہ ذی الحجہ کی تاریخ بھی ہے.

جو روز غدیر خم کے نام سے معروف ہے اس دن آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کے ایک عظیم مجمع میں اپنے جانشین اور خلیفہ کو اپنے بعد مسلمانوں کے لئے ان کے سیاسی، علمی اور دینی امور میں مرجع قرار دیا تھا اس جواب کی مزید وضاحت یہ ہے: پیغمبر اکرم ﷺ

---

(1) سورہ صافات آیت 83

کے بعد مہاجرین اور انصار دو گروہوں میں بٹ گئے:

1۔ ایک گروہ کا یہ عقیدہ تھا کہ پیغمبر خدا ﷺ نے مسئلہ خلافت کو یونہی نہیں چھوڑ دیا تھا بلکہ آپ ﷺ نے اپنے جانشین کو خود معین فرمایا تھا آپ ﷺ کے جانشین حضرت علی بن ابی طالب ہیں جو سب سے پہلے پیغمبر خدا ﷺ پر ایمان لائے تھے.

مہاجرین اور انصار کے اس گروہ میں بنی ہاشم کے تمام سربرآوردہ افراد اور بعض بزرگ مرتبہ صحابہ جیسے سلمان، ابوذر، مقداد اور خباب بن ارت وغیرہ سرفہرست تھے مسلمانوں کا یہ گروہ اپنے اسی عقیدے پر باقی رہا، اوریہی افراد علی کے شیعہ کہلائے.

البتہ یہ لقب پیغمبر خدا ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں امیر المومنین کے پیروکاروں کو عطا فرمایا تھا آنحضرت نے حضرت علی بن ابی طالب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

والذی نفسي بیده اِنّ هذا و شیعته لهم الفائزون یوم القیامة.[1]

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یہ (علی) اور ان کے پیروکار قیامت کے دن کامیاب ہوں گے.

اس بنا پر شیعہ صدر اسلام کے مسلمانوں کے اس گروہ کو کہا جاتا ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ منصب ولایت و امامت خدا کی طرف سے معین کیا جاتا ہے اس وجہ سے یہ گروہ اس نام سے مشہور ہوا اور یہ گروہ آج بھی راہ امامت پر گامزن ہے اور اہل بیت پیغمبر ﷺ کی پیروی کرتا ہے اس وضاحت سے شیعوں کا مرتبہ اور مقام بھی واضح ہوجاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ بعض جاہل یا مفاد پرست افراد کا یہ کلام بھی باطل ہوجاتا ہے کہ شیعیت پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد کی پیداوار ہے تاریخ شیعیت کی مزید اور بہتر شناخت کے لئے "اصل الشیعہ و اصولها" "المراجعات" اور "اعیان الشیعہ" جیسی کتابوں کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا.

2۔ دوسرے گروہ کا عقیدہ یہ تھا کہ منصب خلافت، انتخابی ہے اور اسی لئے انہوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور مدتوں بعد یہی گروہ "اہل سنت" یا تسنن کے نام سے مشہور ہوا اور نتیجہ میں ان دو اسلامی گروہوں کے درمیان بہت سے اصولوں میں مشترک نظریات ہونے کے باوجود مسئلہ خلافت اور جانشینی پیغمبر اکرم ﷺ کے سلسلے میں اختلاف ہوگیا۔ واضح رہے کہ ان فرقوں کے بانی افراد مہاجرین اور انصار تھے.

---

(1) تفسیر درالمنثور جلد 6 جلال الدین سیوطی نے سورۂ بینہ کی ساتویں آیت (إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُوْلَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ) کی تفسیر میں یہ حدیث نقل کی ہے.

تیسرا سوال

کیوں حضرت علی ہی پیغمبر ﷺ کے وصی اور جانشین ہیں ؟

جواب: ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ شیعوں کا راسخ عقیدہ یہ ہے کہ منصب خلافت ، خدا عطا فرماتا ہے اسی طرح ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد شروع ہونے والی امامت چند اعتبار سے نبوت کی طرح ہے جس طرح یہ ضروری ہے کہ پیغمبر ﷺ کو خدا معین فرمائے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ پیغمبر ﷺ کے وصی کو بھی خدا ہی معین کرے اس حقیقت کے سلسلے میں حیات پیغمبر اکرم ﷺ کی تاریخ بہترین گواہ ہے کیونکہ پیغمبر اکرم ﷺ نے چند موقعوں پر اپنا خلیفہ معین فرمایا ہے ہم یہاں ان میں سے تین موقعوں کا ذکر کرتے ہیں :

1۔ آغاز بعثت میں :

جب پیغمبر اسلام ﷺ کو خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اس آیہ کریمہ(وَأَنذِرْ عَشِيرَتَکَ الْأَقْرَبِينَ)[1] کے مطابق آئین توحید کی طرف

---

(1) سورہ شعراء آیت 214

دعوت دیں، تو آنحضرت ﷺ نے ان سب کو خطاب کرتے ہوئے یوں فرمایا "جو بھی اس راستے میں میری مدد کرے گا ، وہی میرا وصی ، وزیر، اور جانشین ہوگا" پیغمبر اکرم ﷺ کے الفاظ یہ تھے:

" فأيكم يؤازرن ف هذاالأمر على أن يكون أخي و وزيری و خليفتي و وصيي فيكم"

تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میری مدد کرے تاکہ وہی تمہارے درمیان میرا بھائی، وزیر، وصی اور جانشین قرار پائے؟

اس ملکوتی آواز پر صرف اور صرف علی ابن ابی طالب نے لبیک کہا اس وقت پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنے رشتہ داروں کی طرف رخ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اِن هذا أخى و وصى و خليفتى فيكم فاسمعوا له و أطيعوه"[(1)]

بہ تحقیق یہ (علی) تمہارے درمیان میرا بھائی ، وصی اور جانشین ہے. اس کی باتوں کو سنو اور اس کی پیروی کرو.

2۔ غزوۂ تبوک میں

پیغمبر خدا ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا :

---

(1) تاریخ طبری ؛ جلد 2 ص 63. 62 اور تاریخ کامل جلد 2 ص 41 ۔40 اور مسند احمد جلد1 ص 111 ،

اور شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید) جلد13 ص 212. 210

"أما ترضى أن تكون منی بمنزلة هارون من موسیٰ اِلا أنّه لانبی بعدی"[1]

کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تمہاری نسبت مجھ سے ویسی ہی ہے جیسی ہارون کو موسیٰ سے تھی بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا.

یعنی جس طرح ہارون حضرت موسیٰ کے بلا فصل وصی اور جانشین تھے ، اسی طرح تم بھی میرے خلیفہ اور جانشین ہو۔

3۔ دسویں ہجری میں

رسول خدا ﷺ نے حجۃ الوداع سے و اپس لوٹتے وقت غدیر خم کے میدان میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کے درمیان حضرت علی کو مسلمانوں اور مومنوں کا ولی معین کیا اور فرمایا:

"مَن کنت مولاہ فهذا علّی مولاہ"

"جس کا میں سرپرست اور صاحب اختیار تھا اب یہ علی اس کے مولا اور سرپرست ہیں."

یہاں پر جو اہم اور قابل توجہ نکتہ ہے وہ یہ کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے خطبے کے آغاز

(2)سیرۃ ابن ہشام جلد2 ص 520 اور الصواعق المحرقۃ طبع دوم مصر باب 9 فصل 2 ص 121.

میں ارشاد فرمایا:

"ألستُ أولیٰ بکم مِن أنفسکم؟"

"کیا میں تمہارے نفسوں پر تم سے بڑھ کر حق نہیں رکھتا ؟"

اس وقت تمام مسلمانوں نے یک زبان ہو کر پیغمبر اکرم ﷺ کی تصدیق کی تھی لہذا یہاں پر یہ کہنا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کی رو سے جو برتری اور اختیار تام رسول ﷺ کو حاصل تھا وہی برتری و اختیار کامل علی کو حاصل ہے۔

اس اعتبار سے یہاں پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح آنحضرت ﷺ مومنین پر برتری اور فوقیت رکھتے تھے اسی طرح حضرت علی بھی مومنین کے نفسوں پر برتری اور فوقیت رکھتے ہیں اس دن حسان بن ثابت نامی شاعر نے غدیر خم کے اس تاریخی واقعے کو اپنے اشعار میں اس طرح نظم کیا ہے :

يناديهم يوم الغدير نبيُّهم

بخم واسمع بالرسول مناديا

فقال فمن مولاکم و نبيُّکم ؟

فقالوا ولم يبدوا هناک التعاميا

الهک مولانا و أنت نبيُّنا

و لم تلق منا فِ الولاية عاصيا

فقال له قم يا عل فنن

رضيتک من بعد اِماما وهاديا

فمن کنت مولاه فهذا وليه

فکونوا له أتباع صدق مواليا

هناک دعا: اللّهم وال وليه

وکن للذ عادیٰ علياً معاديا[1]

---

(1) المناقب (خوارزمی مالکی)ص 80 اور تذکرۃ خواص الامہ (سبط ابن جوزی حنفی) ص 20 اور کفایۃ الطالب ص 17 (مصنف گنجی شافعی) وغیرہ...

حدیث غدیر، اسلام کی ایسی متواتر[1] احادیث میں سے ایک ہے جس کو شیعہ علماء کے علاوہ تقریبا تین سو ساٹھ سنی علماء نے بھی نقل کیا ہے[2] یہاں تک کہ اس حدیث کا سلسلہ سند ایک سو دس اصحاب پیغمبر ﷺ تک پہنچتا ہے اور عالم اسلام کے چھبیس بزرگ علماء نے اس حدیث کے سلسلۂ سند کے بارے میں مستقل طور پر کتابیں لکھی ہیں.

مشہور مسلمان مورخ ابو جعفر طبری نے اس حدیث شریف کے سلسلۂ اسناد کو دو بڑی جلدوں میں جمع کیا ہے اس سلسلے میں مزید معلومات کے لئے کتاب "الغدیر" کا مطالعہ کریں.

---

(1) حدیث متواتر: وہ روایت ہے جو ایسے متعدد اور مختلف راویوں سے نقل ہوئی ہو جس میں ذرا بھی جھوٹ کا شائبہ نہ رہ جائے.(مترجم)

(2) بطور نمونہ کتاب "الصواعق المحرقۃ" (ابن حجر) طبع دوم مصر باب 9 اور فصل 2 ص 122 کا مطالعہ کریں.

چوتھا سوال

''ائمہ'' کون ہیں ؟

جواب: پیغمبر گرامی اسلام ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں یہ بات واضح کردی تھی کہ آپ ﷺ کے بعد بارہ خلیفے ہوں گے اور سب قریش میں سے ہوں گے اور اسلام کی عزت انہیں خلفاء کی مرہون منت ہوگی.

جابربن سمرہ کہتے ہیں :

"سمعت رسول اللہ یقول: لایزال السلام عزیزاً اِلی اثنی عشر خلیفةً ثم قال کلمة لا أسمعها فقلت لأبی: ماقال ؟ فقال: کلهم من قریش."(1)

میں نے پیغمبر خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اسلام کو بارہ خلفاء کے ذریعہ عزت حاصل ہوگی اور پھر پیغمبر اکرم ﷺ نے کوئی لفظ کہا جسے میں نے نہیں سنا میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے کیا

---

(1) صحیح مسلم جلد 6 صفحہ 2 طبع مصر

فرمایا ہے. جواب دیا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ سب قریش میں سے ہوں گے.

اسلام کی تاریخ میں ایسے بارہ خلفاء جو اسلام کی عزت کے محافظ اور نگہبان رہے ہوں ان بارہ اماموں کے علاوہ نہیں ملتے جن کو شیعہ اپنے امام مانتے ہیں کیونکہ جن بارہ خلفاء کا تعارف خود پیغمبر اکرم ﷺ نے کرایا تھا وہی آنحضرت ﷺ کے بلا فصل خلیفہ شمار ہوتے ہیں.

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ بارہ افراد کون ہیں؟

اگر ہم ان چار خلفاء سے کہ جن کو اہل سنت خلفاء راشدین کہتے ہیں، چشم پوشی کرلیں تو دوسرے خلفاء میں سے کوئی بھی عزت اسلام کا باعث نہیں تھا جیسا کہ اموی اور عباسی خلفاء کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے. لیکن شیعوں کے سبھی بارہ ائمہ اپنے اپنے زمانے میں تقوی اور پرہیزگاری کے پیکر تھے.

وہ سب پیغمبر اکرم ﷺ کی سنت کے محافظ تھے نیز وہ سب صحابہ کرام، تابعین اور بعد میں آنے والی نسلوں کی توجہ کا مرکز قرار پائے مورخین نے بھی انکے علم اور ان کی وثاقت کی صاف لفظوں میں گواہی دی ہے.

ان بارہ اماموں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1۔ امام علی ابن ابی طالب

2۔ امام حسن بن علی (مجتبیٰ)

3۔ امام حسین بن علی

4۔ امام علی ابن الحسین (زین العابدین)

5۔ امام محمد بن علی (باقر)

6۔ امام جعفر بن محمد (صادق)

7۔ امام موسیٰ بن جعفر (کاظم)

8۔ امام علی بن موسیٰ (رضا)

9۔ امام محمد بن علی (تقی)

10۔ امام علی بن محمد (نقی)

11۔ امام حسن بن علی (عسکری)

12۔ امام مہدی (قائم)

آپ کے سلسلے میں مسلمان محدثین نے پیغمبر اسلام ﷺ سے متواتر احادیث نقل کی ہیں کہ جن میں آپ کو مہدی موعود (جن کا وعدہ کیا گیا ہے) کے نام سے یاد کیا گیا ہے.

یہ وہ ائمہ معصومین ہیں کہ جنکے اسمائے مبارک پیغمبر ﷺ اسلام نے بیان فرمائے ہیں انکی زندگی سے متعارف ہونے کیلئے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا:

1. تذکرۃ الخواص (تذکرۃ خواص الامّہ)

2. کفایۃ الاثر

3. وفیات الاعیان

4. اعیان الشیعہ (سید محسن امین عاملی) یہ کتاب بقیہ کتابوں کی نسبت زیادہ جامع ہے.

پانچواں سوال

حضرت محمد ﷺ پر صلوات پڑھتے وقت کیوں آل کا اضافہ کرتے ہیں اور: اللّھم صل علی محمد و آل محمد کہتے ہیں ؟

جواب: یہ ایک مسلم اور قطعی بات ہے کہ خود پیغمبر اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو درود پڑھنے کا یہ طریقہ سکھایا ہے جس وقت یہ آیۂ شریفہ:

(إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا)[1] نازل ہوئی تو مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا : ہم کس طرح درود پڑھیں ؟

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: "لاتُصلُّوا علَّ الصلاة البتراء" مجھ پر ناقص صلوات مت پڑھنا" مسلمانوں نے پھر آنحضرت ﷺ سے سوال کیا: ہم کس طرح درود پڑھیں؟

---

(1)سورہ احزاب آیت 56

پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہو: اللهم صلِّ علی مُحَمَّد و آل مُحَمَّد.[1]

اہل بیت ٪ قدرومنزلت کے ایک ایسے عظیم درجہ پر فائزہیں جسے امام شافعی نے اپنے ان مشہورا شعار میں قلمبند کیا ہے:

یاأهل بیت رسول الله حبُّکم

فرض من الله فی القرآن انزله

کفاکم من عظیم القدر أنکم

مَن لم یصلِّ علیکم لاصلاة له [2]

ترجمہ: اے اہل بیت پیغمبر ﷺ آپ کی محبت کو خدا نے قرآن میں نازل کر کے واجب قرار دے دیا ہے. آپ کی قدر و منزلت کے لئے بس یہی کافی ہے کہ جو شخص بھی آپ پر صلوات نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی.

---

(1) الصواعق المحرقۃ (ابن حجر) طبع دوم مکتبۃ القاہرہ مصر باب 11 فصل اول ص 146 اور ایسی روایت تفسیر

در المنثور جلد 5 سورہ احزاب کی آیت 56 کے ذیل میں بھی موجود ہے اس روایت کو صاحب تفسیر نے محدثین اور کتب صحاح اور کتب مسانید (جیسے عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن مردویہ) سے نقل کیا ہے - مذکورہ راویوں نے کعب ابن عجرہ سے اور انہوں نے رسول خدا ﷺ سے نقل کیا ہے.

(2) الصواعق المحرقۃ (ابن حجر) باب 11 ص 148 فصل اول اور کتاب اتحاف (شبراوی) ص 29 اور کتاب

مشارق الانوار (حمزاوی مالکی) ص 88 اور کتاب المواہب (زرقانی) اور کتاب الاسعاف (صبان) ص 199.

چھٹا سوال

آپ اپنے اماموں کو معصوم کیوں کہتے ہیں ؟

جواب: شیعوں کے ائمہ ؑ جو کہ رسول ﷺ کے اہل بیت ہیں ان کی عصمت پر بہت سی دلیلیں موجود ہیں. ہم ان میں سے صرف ایک دلیل کا یہاں پر تذکرہ کرتے ہیں :

شیعہ اور سنی دانشوروں نے یہ نقل کیا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ ارشاد فرمایا ہے :

"اِنی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و أهل بیتی و انهما لن یفترقا حتی یردا علّی الحوض۔"[1]

میں تمہارے درمیان دو وزنی چیزیں چھوڑے جارہا ہوں "کتاب خدا" (قرآن) اور "میرے اہل بیت" یہ دونوں ہر گمز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے.

---

(1) مستدرک حاکم ، جزء سوم ص 148۔ اور الصواعق المحرقۃ ابن حجر باب 11 فصل اول ص 149 اور اسی سے ملتی جلتی روایات کنز العمال جزء اول باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص 44، اور مسند احمد جزء پنجم ص 189 ، 182 اور دیگر کتب میں موجود ہیں.

یہاں پر ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ: قرآن مجید ہر قسم کے انحراف اور گمراہی سے محفوظ ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وحیِ الٰہی کی طرف غلطی اور خطا کی نسبت دی جائے جبکہ قرآن کو نازل کرنے والی ذات، پروردگار عالم کی ہے اور اسے لانے والا فرشتۂ وحی ہے اور اسے لینے والی شخصیت پیغمبر خدا ﷺ کی ہے اور ان تینوں کا معصوم ہونا آفتاب کی طرح روشن ہے اسی طرح سارے مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ وحی کے لینے، اس کی حفاظت کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کے سلسلے میں ہر قسم کے اشتباہ سے محفوظ تھے لھذا یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ جب کتاب خدا اس پائیدار اور محکم عصمت کے حصار میں ہے تو رسول خدا ﷺ کے اہل بیت ؑ بھی ہر قسم کی لغزش اور خطا سے محفوظ ہیں کیونکہ حدیث ثقلین میں پیغمبر خدا ﷺ نے اپنی عترت کو امت کی ہدایت اور رہبری کے اعتبار سے قرآن مجید کا ہم رتبہ اور ہم پلہ قرار دیا ہے۔اورچونکہ عترت پیغمبر ﷺ اور قرآن مجید ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں لہذا یہ دونوں عصمت کے لحاظ سے بھی ایک جیسے ہیں دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ غیر معصوم فردیا افراد کو قرآن مجید کا ہم پلہ قراردینے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

اسی طرح ائمہ معصومین ؑ کی عصمت کے سلسلے میں واضح ترین گواہ پیغمبر اکرم ﷺ کا یہ جملہ ہے:

" لن يفترقا حتى يردا علّی الحوض."

یہ دو ہرگز (ہدایت اور رہبری میں) ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آملینگے۔

اگر پیغمبر خدا ﷺ کے اہل بیت ہر قسم کی لغزشوں سے محفوظ نہ ہوں اور ان کے لئے بعض کاموں میں خطا کا امکان پایا جاتا ہو تو وہ قرآن مجید سے جدا ہو کر (معاذاللہ) گمراہی کے راستے پر چل پڑیں گے. کیونکہ قرآن مجید میں خطا اور غلطی کا امکان نہیں ہے لیکن رسول خدا ﷺ نے انتہائی شدت کے ساتھ اس فرضیہ کی نفی فرمائی ہے.

البتہ یہ نکتہ واضح رہے کہ اس حدیث میں لفظ اہل بیت سے آنحضرت ﷺ کی مراد آپ ﷺ کے تمام نسبی اور سببی رشتہ دار نہیں ہیں کیونکہ اس بات میں شک نہیں ہے کہ وہ سب کے سب لغزشوں سے محفوظ نہیں تھے.

لہذا آنحضرت ﷺ کی عترت میں سے صرف ایک خاص گروہ اس قسم کے افتخار سے سرفراز تھا اور یہ قدر ومنزلت صرف کچھ گنے چنے افراد کے لئے تھی اور یہ افراد وہی ائمہ اہل بیت ؑ ہیں جو ہر زمانے میں امت کو راہ دکھانے والے، سنت پیغمبر ﷺ کے محافظ اور آنحضرت ﷺ کی شریعت کے پاسبان تھے۔

ساتواں سوال

اذان میں أشھد أن علیًّا ولی اللہ کیوں کہتے ہیں اور حضرت علی کی ولایت کی شہادت کیوں دیتے ہیں ؟

جواب: بہتر ہے کہ اس سوال کے جواب میں درج ذیل نکات کو مدنظر رکھا جائے:

1۔ تمام شیعہ مجتہدین نے فقہ سے متعلق اپنی استدلالی یا غیر استدلالی کتابوں میں اس بات کو صراحت کیساتھ بیان کیا ہے کہ ولایت علی کی شہادت اذان اور اقامت کا جزء نہیں ہے اور کسی بھی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ولایت علی کی شہادت کو اذان اور اقامت کا جزء سمجھ کر زبان پر جاری کرے.

2۔ قرآن مجید کی نگاہ میں حضرت علی ولی خدا ہیں اور خداوندعالم نے اس آیت میں مومنین پر حضرت علی کی ولایت کو بیان کیا ہے:

(إِنَّمَا وَلِيُّكُمْ الله وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ)[1]

---

(1)سورہ مائدہ آیت :55.

ایمان والو بس تمہارا ولی اللہ ہے اس کا رسول ہے اور وہ صاحبان ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں .

اہل سنت کی صحیح اور مسند کتابوںنے بھی اس بات کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ آیۂ شریفہ حضرت علی کی شان میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب آپ نے اپنی انگشتر مبارک حالت رکوع میں فقیر کو عطا کی تھی [1]جب یہ آیت حضرت امیرالمومنین کی شان میں نازل ہوئی تو شاعر اہل بیت ٪ حسان بن ثابت نے اس واقعے کو اس طرح اپنے اشعار میں ڈھالا تھا:

آپ وہ ہیں کہ جنہوں نے حالت رکوع میں بخشش کی اے بہترین رکوع کرنے والے آپ پر تمام قوم کی جانیں نثار ہوجائیں.

خداوند کریم کی ذات نے آپ کے حق میں بہترین ولایت نازل کی ہے اور اسے شریعتوں کے خلل ناپذیر احکام میں بیان کیا ہے.

---

(1)اس سلسلے میں کہ یہ آیۂ حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے بہت سی کتابیں موجود ہیں لیکن ان تمام کتابوں کا یہاں تذکرہ ممکن نہیں ہے لیکن پھر بھی ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں :

1۔ تفسیر طبری جلد 6 ص 186.

2۔ احکام القرآن (تفسیر جصاص) جلد 2 ص 542.

3۔ تفسیر البیضاوی جلد 1 ص 345.

4۔ تفسیر الدر المنثور جلد 2 ص 293.

3۔ پیغمبر گرامی اسلام ﷺ نے فرمایا

"اِنّما الأعمال بالنیّات"

"بے شک اعمال کا دارمدار نیتوں پر ہے'۔'

اس بنا پرجب "ولایت علی" ان اصولوں میں سے ایک ہے کہ جنہیں قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اور دوسری طرف سے اس جملہ (اشھد ان علیاً ول اللہ) کو اذان کا جزء سمجھ کر نہ کہا جائے تو پھر ہمارے لئے رسالت پیغمبر ﷺ کی گواہی کے ہمراہ ولایت علی کا بھی اعلان کرنے میں کیا حرج ہے ؟ یہاں پرایک نکتہ کا ذکر ضروری ہے اور وہ یہ کہ اگر اذان میں کسی جملے کا اضافہ کرنا مناسب نہیں ہے اور اس کے ذریعہ شیعوں پراعتراض کیا جاتا ہے تو ذیل میں بیان ہونے والی ان دو باتوں کی کس طرح توجیہ کی جائے گی :

1۔ معتبر تاریخ گواہ ہے کہ یہ جملہ "حّی علیٰ خیر العمل" اذان کا جزء تھا [1] لیکن خلیفہ دوم نے اپنی خلافت کے زمانے میں یہ تصور کیا کہ کہیں لوگ اس جملے کو اذان میں سن کر یہ گمان نہ کر بیٹھیں کہ تمام اعمال کے درمیان صرف نماز ہی بہترین عمل ہے اور پھر جہاد پر جانا چھوڑ دیں گے لہذا اس جملے کو اذان سے حذف کردیا اور پھر

---

(1) کتاب کنزالعمال، کتاب الصلوۃ جلد 4 ص 266 طبرانی سے منقول ہے:" کان بلال یؤذن بالصبح فیقول : حی علی خیر العمل."بلال جب اذان صبح دیتے تھے تو کہتے تھے حّي علیٰ خیر العمل. اور سنن بیہقی جلد 1 ص 424 اور ص 425 اور مؤطا جلد 1 ص 93 میں بھی یہ بات درج ہے.

اذان اسی حالت پر باقی رہی.[1]

2۔"الصلاة خیر من النوم"یہ جملہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں اذان کا جزء نہیں تھا بعد میں یہ جملہ اذان میں بڑھایا گیا ہے[2]

اسی وجہ سے امام شافعی نے اپنی کتاب "الامّ" میں کہا ہے:

"أکره فی الأذان الصلاة خیر من النوم لأن أبا محذوره لم یذکره"[3]

اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کہنا مجھے پسند نہیں ہے کیونکہ ابو محذورہ (جو کہ ایک راوی اور محدث ہیں) نے اس جملے کا (اپنی حدیث میں) ذکر نہیں کیا ہے۔

---

(1) کنزالعرفان جلد 2 ص 158 اور کتاب "الصراط المستقیم" وجواہر الاخبار والآثار اور شرح تجرید (قوشچی)

ص 484 میں ہے کہ: صعد المنبر و قال: أیهاالناس ثلاث کنّ علی عهد رسول الله أنا أنهیٰ عنهنّ و أحرمهن و أُعاقب علیهن و هـ متعة النساء و متعة الحج و حیّ علیٰ خیر العمل."

(2) کنزالعمال، کتاب الصلوۃ جلد 4 ص 270

(3)دلائل الصدق جلد 3 القسم الثانی ص 97 سے ماخوذ.

آٹھواں سوال

مہدی آل محمد علیہ السلام کون ہیں اور انکا انتظار کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب: کچھ امور ایسے ہیں جن کے سلسلے میں تمام آسمانی شریعتیں اتفاق نظر رکھتی ہیں ان میں سے ایک امر عالمی مصلح کا وجود بھی ہے جو کہ آخری زمانہ میں ظہور کرے گا اس سلسلے میں صرف مسلمان نہیں بلکہ یہودی اور عیسائی بھی اس کی آمد کے منتظر ہیں جو پوری دنیا میں عدل و انصاف قائم کریگا اسکے لئے اگر کتاب عہد عتیق اور عہد جدید کا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت واضح ہوجائے گی. (1)

اس سلسلہ میں پیغمبر خدا ﷺ کی حدیث بھی موجود ہے کہ جسے مسلمان محدثین نے نقل کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :
"لولم یبق من الدھر اِلا یوم لبعث اللہ رجلاًمن

(1) عہد عتیق: مزامیر داؤد، مزمور 97 ـ 96 اور کتاب دانیال نبی باب 12 عہد جدید: انجیل متی باب 24 انجیل مرقوس باب 13 انجیل لوقا باب 21 (جہاں اس موعود کے بارے میں بیان ہوا ہے جس کے انتظار میں دنیا ہے.)

أهل بيتي يملأ ها عدلا كما ملئت جوراً"[1]

اگر زمانے کا صرف ایک ہی دن باقی بچے گا تب بھی خداوندعالم میرے خاندان میں سے ایک فرد کو مبعوث کرے گا جوکہ اس جہان کو اسی طرح سے عدالت سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و ستم سے بھرا ہوا ہوگا۔

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ دنیا میں ایک مصلح کے آنے کا عقیدہ تمام آسمانی شریعتوں میں موجود ہے اسی طرح اہل سنت کی صحیح اور مسند کتابوں میں بھی امام مھدی عج کے بارے میں بہت سی روایتیں نقل ہوئی ہیں اور ان دونوں(شیعہ اور سنی) اسلامی فرقوں کے محدثین اور محققین نے امام زمانہ عج کے بارے میں بہت سی کتابیں تحریر کی ہیں۔[2]

روایات کے اس مجموعے میں انکی وہ خصوصیات اور نشانیاں بیان ہوئی ہیں جو صرف شیعوں کے گیارہویں امام حسن عسکری کے بلافصل فرزند ہی میں پائی جاتی ہیں[3] ان روایات کے مطابق امام مہدی پیغمبر اکرم ﷺ کے ہم نام ہیں[4]۔

---

(1) صحیح ابی داؤد جلد 2 ص 207 طبع مصر مطبعہ تازیہ، ینابیع المودۃ ص 432 اور کتاب نور الابصار باب 2 ص 154۔

(2) جیسے کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان تالیف محمد بن یوسف بن الکنجی الشافعی ہے اور اسی طرح کتاب البرھان فی علامات مھدی آخر الزمان تالیف علی بن حسام الدین جو کہ متقی ھندی کے نام سے مشہور ہیں اور اسی طرح کتاب المہدی والمھدویت تالیف احمد امین مصری ہے البتہ شیعہ علماء نے اس بارے میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جنہیں شمار کرنا آسان کام نہیں ہے جیسے کتاب الملاحم والفتن وغیرہ۔

(3) ینابیع المودۃ باب 76، مناقب میں جابر بن عبداللہ انصاری کی روایت ہے۔

(4) صحیح ترمذی، مطبوعہ دہلی 1342، جلد 2 ص 46 اور مسند احمد مطبوعہ مصر 1313

یہاں اس نکتے کا ذکر ضروری ہے کہ اس قسم کی طولانی عمر نہ تو علم اور دانش کے خلاف ہے اور نہ ہی منطق وحی سے تضاد رکھتی ہے آج کی علمی دنیا انسانوں کی طبیعی عمر کو بڑھانا چاہ رہی ہے صاحبان علم اور سائنسدانوں کا یہ یقین ہے کہ ہر انسان کے اندر لمبی عمر گذارنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے اور اگر اسے بعض آفتوں اور بیماریوں سے بچا لیا جائے تو قوی امکان ہے کہ اس کی عمر بڑھ جائیگی.

تاریخ نے بھی اپنے دامن میں ایسے افراد کے نام محفوظ کئے ہیں جنہوں نے اس دنیا میں طولانی عمر پائی ہے.

قرآن مجید حضرت نوح کے بارے میں فرماتا ہے:

(فَلَبِثَ فِيهِمْ لْفَ سَنَةٍ لاَّ خَمْسِينَ عَامًا)[1]

اور (نوح) اپنی قوم کے درمیان نو سو پچاس سال رہے.

اور اسی طرح قرآن مجید حضرت یونس کے بارے میں فرماتا ہے:

(فَلَوْلا أَنَّهُ كَانَ مِنْ الْمُسَبِّحِينَ لَلَبِثَ فِي بَطْنِه إِ لَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ)[2]

پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو روز قیامت تک اسی (مچھلی) کے شکم میں رہتے.

اسی طرح قرآن مجید اور تمام مسلمانوں کے نظریہ کے مطابق حضرت خضر اور حضرت عیسیٰ ابھی تک باحیات ہیں اور زندگی گذار رہے ہیں۔

---

(1) سورہ عنکبوت آیت 14

(2) سورہ صافات آیت 144

نواں سوال

اگر شیعہ حق پر ہیں تو وہ اقلیت میں کیوں ہیں ؟ اور دنیا کے اکثر مسلمانوں نے ان کو کیوں نہیں مانا ہے؟

جواب: کبھی بھی حق اور باطل کی شناخت ماننے والوں کی تعداد میں کمی یا زیادتی کے ذریعہ نہیں ہوتی.آج اس دنیا میں مسلمانوں کی تعداد اسلام قبول نہ کرنے والوں کی بہ نسبت ایک پنجم یا ایک ششم ہے جبکہ مشرق بعید میں رہنے والوں کی اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو بت اور گائے کی پوجا کرتے ہیں یا ماورائے طبیعت کا انکار کرتے ہیں.

چین جس کی آبادی ایک ارب سے بھی زیادہ ہے کیمونیزم کا مرکز ہے اور ہندوستان جس کی آبادی تقریباً ایک ارب ہے اسکی اکثریت ایسے افراد کی ہے جو گائے اور بتوں کی پوجا کرتی ہے اسی طرح یہ ضروری نہیں ہے کہ اکثریت میں ہونا حقانیت کی علامت ہو قرآن مجید نے اکثر و بیشتر اکثریت کی مذمت کی ہے اور بعض اوقات اقلیت کی تعریف کی ہے اس سلسلے میں ہم چند آیات کو بطور نمونہ پیش کرتے ہیں :

1۔ (وَلا تَجِدُا کْثَرَهُمْ شَاکِرِین)[1]

اور تم اکثریت کو شکر گزار نہ پاؤ گے.

2۔(اِنْ اَوْلِیَاؤُهُا لاَّ الْمُتَّقُونَ وَلَکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لایَعْلَمُونَ)[2]

اس کے ولی صرف متقی اور پرہیزگار افراد ہیں لیکن ان کی اکثریت اس سے بھی بے خبر ہے.

3۔ (وَقَلِیل مِنْ عِبَادِی الشَّکُورُ)[3]

اور ہمارے بندوں میں شکر گزار بندے بہت کم ہیں.

لہذا کبھی بھی حقیقت کے متلاشی انسان کو اپنے آئین کی پیروی کرنے والوں کو اقلیت میں دیکھ کر گھبرانا نہیں چاہیئے اور اسی طرح اگر وہ اکثریت میں ہوجائیں تو فخر ومباہات نہیں کرنا چاہیئے بلکہ بہتر یہ ہے کہ ہر انسان اپنا چراغ عقل روشن کرے اور اس کی روشنی سے بہرہ مند ہو.

ایک شخص نے حضرت امیر المومنین علی کی خدمت میں عرض کیا یہ کیسے ممکن ہے کہ جنگ جمل میں آپ کے مخالفین اکثریت پر ہونے کے باوجود باطل پر ہوں؟

امام نے فرمایا :

---

(1)سورہ اعراف آیت 17

(2)سورہ انفال آیت 34

(3)سورہ سبا آیت 13

"اِنّ الحق والباطل لایعرفان بأقدارالرجال . اعرف الحق تعرف أهله . اعرف الباطل تعرف أهله۔"

حق اور باطل کی پہچان افراد کی تعداد سے نہیں کی جاتی بلکہ تم حق کو پہچان لو خود بخود اہل حق کو بھی پہچان لو گے اور باطل کو پہچان لوتو خود بخود اہل باطل کو بھی پہچان لوگے .

ایک مسلمان شخص کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس مسئلے کو علمی اور منطقی طریقے سے حل کرے اور اس آیۂ شریفہ (وَلاتَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهِ عِلْم)[1] کو چراغ کی مانند اپنے لئے مشعل راہ قرار دے اس سے ہٹ کر اگر دیکھا جائے تو اگرچہ اہل تشیع تعداد میں اہل سنت سے کم ہیں . لیکن اگر صحیح طور پر مردم شماری کی جائے تو یہ معلوم ہوجائے گا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں میں ایک چوتھائی افراد شیعہ ہیں جوکہ دنیا کے مختلف مسلمان نشین علاقوں میں زندگی بسر کررہے ہیں .[2]

واضح رہے کہ ہر دور میں شیعوں کے بڑے بڑے علماء اور مشہور مولفین اور مصنفین رہے ہیں اور یہاں پر یہ بھی واضح کردینا ضروری ہے کہ اکثر اسلامی علوم کے موجد اور بانی شیعہ ہی تھے جن میں سے چند یہ ہیں :

علم نحو کے موجد ابوالاسود دئلی

---

(1) سورہ اسراء آیت 36

(2)زیادہ وضاحت کیلئے "اعیان الشیعہ"جلد 1 بحث 12 اور صفحہ 194 کی طرف مراجعہ کیا جائے.

علم عروض کے بانی خلیل بن احمد

علم صرف کے موجد معاذبن مسلم بن ابی سارہ کوفی

علم بلاغت کو فروغ دینے والوں میں سے ایک ابوعبداللہ بن عمران کاتب خراسانی

(مرزبانی)[1]

شیعہ علماء اور دانشوروں کی کثیر تالیفات (جن کو شمار کرنا بہت دشوار کام ہے) کی شناخت کے لئے کتاب (الذریعہ الی تصانیف الشیعہ) کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا.

---

(1)اس بارے میں سید حسن صدر کی کتاب "تاسیس الشیعہ" کا مطالعہ کریں.

دسواں سوال

رجعت کیا ہے اور آپ اس پر کیوں عقیدہ رکھتے ہیں ؟

جواب: عربی لغت میں رجعت کے معنی ہیں "لوٹنا" اسی طرح اصطلاح میں "موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کچھ انسانوں کے اس دنیا میں لوٹنے" کو رجعت کہا جاتا ہے یہ رجعت حضرت مہدی کے ظہور کے دور میں واقع ہوگی یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو نہ تو عقل کے مخالف ہے اور نہ ہی منطق وحی کے برخلاف ہے.

اسلام اور دوسرے ادیان الٰہی کی نظر میں انسان کے وجود میں جو چیز اصل ہے وہ اس کی روح ہے جسے "نفس" کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے یہی وہ چیز ہے جو بدن کے فنا ہوجانے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور اپنی جاودانہ زندگی بسر کرتی رہتی ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید کی نگاہ میں پروردگار عالم کی ذات قادر مطلق ہے اور کوئی بھی چیز اس کی لامحدود قدرت کو محدود نہیں کرسکتی.

ان دو مختصر مقدموں کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ رجعت کا مسئلہ عقل کی نگاہ سے ایک ممکن امر ہے کیونکہ تھوڑی سی فکر سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ انسانوں کے ایک گروہ کو اس دنیا میں دوبارہ واپس بھیجنا ان کی پہلی خلقت کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ آسان ہے.

لہذا وہ پروردگار جس نے انہیں پہلے مرحلے میں خلق فرمایا ہے یقینا ان کو دوبارہ اس دنیا میں لوٹانے پر قادر ہے اگر وحی الھی کی بنیاد پر رجعت کو گزشتہ امتوں میں تلاش کیا جائے تو اس کے مختلف نمونے مل سکتے ہیں.

قرآن مجید اس بارے میں فرماتا ہے:

(وَاِذْ قُلْتُمْ یَامُوسَی لَنْ نُؤْمِنَ لَکَ حَتَّی نَرَی اللہ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمْ الصَّاعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنظُرُونَ ثُمَّ بَعَثْنَاکُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُونَ)[1]

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کہا کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو آشکارا طور پر نہ دیکھ لیں جس کے بعد بجلی نے تم کو لے ڈالا اور تم دیکھتے ہی رہ گئے. پھر ہم نے تمہیں موت کے بعد زندہ کردیا کہ شاید شکر گزار بن جاؤ.

اسی طرح قرآن مجید ایک اور مقام پر حضرت عیسی کی زبان سے نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے:

(وَاُحْیِ الْمَوْتَی بِاِذْنِ اللہِ)[2]

---

(1) سورہ بقرہ آیت :55۔56

(2)سورہ آل عمران آیت: 49

اور میں خدا کی اجازت سے مردوں کو زندہ کرونگا.

قرآن مجید نے نہ صرف یہ کہ رجعت کو ایک ممکن امر قرار دیا ہے بلکہ انسانوں کے ایک ایسے گروہ کی تائید بھی کی جو اس دنیا سے جاچکا تھا اور پھر اس دنیا میں دوبارہ واپس آگیا قرآن مجید نے مندرجہ ذیل دو آیتوں میں ان دو گروہوں کا تذکرہ کیا ہے جو مرنے کے بعد قیامت سے قبل دنیا میں واپس آئے ہیں.

(وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِنْ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لايُوقِنُونَ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ)[1]

اور جب ان پر وعدہ پورا ہوگا تو ہم زمین سے ایک چلنے والی مخلوق کو نکال کر کھڑا کردیں گے جو ان سے یہ بات کرے کہ کون لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے. اور اس دن ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کی ایک فوج اکھٹا کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کیا کرتے تھے اور پھر ان کو روک لیا جائے گا.

ان دو آیتوں کے ذریعہ قیامت سے پہلے واقع ہونے والی رجعت کے سلسلے میں استدلال کرنے کے لئے مندرجہ ذیل نکات کی طرف توجہ ضروری ہے:

---

(1)سورہ نمل آیت 82اور 83.

1۔تمام مسلمان مفسرین کا یہ نظریہ ہے کہ یہ دو آیتیں قیامت سے متعلق ہیں اور پہلی آیت قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کو بیان کررہی ہے، اس سلسلے میں جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر "الدرالمنثور" میں ابن ابی شیبہ اورانہوں نے حذیفہ سے نقل کیا ہے کہ "خروج دابۃ" (چلنے والی مخلوق کا نکلنا) قیامت سے پہلے رونما ہونے

والے واقعات میں سے ایک ہے.[1]

2۔اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ قیامت کے دن تمام انسانوں کو محشور کیا جائے گا، اور ایسا نہیں ہے کہ اس دن ہرامت میں سے ایک خاص گروہ کو محشور کیا جائے گا. قرآن مجید نے قیامت میں تمام انسانوں کے محشور ہونے کے بارے میں یوں فرمایا ہے:

(ذٰلِکَ یَوْم مَجْمُوع لَہُ النَّاسُ)[2]

وہ ایک دن ہے جس میں تمام لوگ جمع کئے جائیں گے.[3]

اور ایک جگہ فرماتا ہے:

(وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَی الْاَرْضَ بَارِزَةً وَ حَشَرْنَاھُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْھُمْ اَحَدًا)[4]

---

(1)تفسیر درمنثور جلد 5 ص 177۔ سورہ نمل کی آیت نمبر82کی تفسیر کے ذیل میں.

(2)سورہ ہود آیت: 103

(3)تفسیر درمنثور جلد 3 ص 349 ۔اس دن کی تفسیر قیامت سے کی گئی ہے۔

(4)سورہ کہف آیت: 47

اور جس دن ہم پہاڑوں کو حرکت میں لائیں گے اور تم زمین کو بالکل کھلا ہوا دیکھو گے اور ہم سب کو اس طرح جمع کریں گے کہ کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے.

اس اعتبار سے قیامت کے دن تمام انسان محشور ہوں گے اور یہ بات انسانوں کے کسی خاص گروہ سے مخصوص نہیں ہے.

3۔ ان دو گذشتہ آیتوں میں دوسری آیت اس بات کا صریح اعلان کررہی ہے کہ امتوں میں سے کچھ خاص افراد کو محشور کیا جائے گا اور تمام انسانوں کو محشور نہیں کیا جائے گا کیونکہ آیہ کریمہ میں ہے :

(ویوم نحشرمن کل أمة فوجاً ممن یُّکذِّب بآیاتنا)

اور اس دن ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کی ایک فوج اکٹھا کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کیا کرتے تھے.

آیت کا یہ حصہ واضح طور پر اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ تمام انسانوں کو محشور نہیں کیا جائے گا.

نتیجہ: ان تین مختصر مقدموں کی روشنی میں یہ مطلب اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والے انسانوں میں سے ایک خاص گروہ کا محشور ہونا ایک ایسا واقعہ ہے جو قیامت سے پہلے واقع ہوگا اور یہی بات دوسری آیت سے بھی سمجھ میں آتی ہے.

کیونکہ قیامت کے دن کوئی خاص گروہ محشور نہیں ہوگا بلکہ اس دن تمام انسان محشور کئے جائیں گے اس بیان کے ساتھ ہمارا یہ دعوی صحیح ثابت ہوجاتا ہے کہ انسانوں کے ایک خاص گروہ کو ان کی موت کے بعد قیامت سے پہلے اس دنیا میں لوٹایا جائے گا اور اسی کا نام "رجعت" ہے.

اسی طرح اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی جو ہمیشہ قرآن کے ہمراہ ہیں اور کلام الہی کے حقیقی مفسر ہیں اس سلسلے میں اپنی احادیث کے ذریعہ وضاحت فرمائی ہے یہاں پر ہم اختصار کی وجہ سے ان کے صرف دو ارشادات کی طرف اشارہ کرتے ہیں :

امام صادق فرماتے ہیں :

"أيام الله ثلاثة يوم القائم . ويوم الكرّة، و يوم القيامة "

خدا کے تین دن ہیں حضرت امام مہدی کا دن ،رجعت کا دن ، اور قیامت کا دن .اور ایک مقام پر فرماتے ہیں :

"ليس منا مَن لم يؤمن بكرّتنا۔"

جو شخص ہماری رجعت کو قبول نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے.آخر میں مناسب ہے کہ دو اہم نکتوں کو واضح کردیا جائے:

1۔ رجعت کا فلسفہ

رجعت کے اسباب وعلل کے بارے میں غور کرنے سے دو اہم مقاصد سمجھ میں آتے ہیں .پہلا مقصد یہ ہے کہ رجعت کے ذریعہ اسلام کی حقیقی عزت و عظمت اور کفر کی ذلت کو آشکار کیا جائے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ باایمان اور نیک انسانوں کو ان کے اعمال کی جزا مل سکے اور کافروں اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جا سکے.

2۔ رجعت اور تناسخ [1] کے درمیان واضح فرق

یہاں پر اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ شیعہ جس رجعت پر عقیدہ رکھتے ہیں :اس کا لازمہ تناسخ کا معتقد ہونا نہیں ہے کیونکہ نظریہ تناسخ کی بنیاد قیامت کے انکار پر ہے اور تناسخ والے اپنے اس نظرئیے کے مطابق دنیا کو دائمی طور پر گردش میں جانتے ہیں اور اس کا ہر دور اپنے پہلے والے دور کی تکرار ہے. اس نظرئیے کے مطابق انسان کے مرنے کے بعد اس کی روح دوبارہ اس دنیا میں پلٹتی ہے اور کسی دوسرے بدن میں منتقل ہوجاتی ہے اور اگر وہ روح گزشتہ زمانے میں کسی نیک آدمی کے جسم میں رہی ہو تو اب اس زمانے میں کسی ایسے آدمی کے بدن میں منتقل ہو جائے گی جس کی زندگی خوشی و مسرت کے ساتھ بسر ہونے والی ہو لیکن اگر

(1) تناسخ: یعنی روح کا ایک بدن سے نکل کر دوسرے میں داخل ہوجانا جسے آواگون کہتے ہیں.(مترجم)

یہ روح گزشتہ زمانے میں کسی بدکار آدمی کے جسم میں رہی ہو تو اس زمانے میں ایسے آدمی کے بدن میں منتقل ہو جائے گی جس کی زندگی سختیوں میں گزرنے والی ہو اس نظریئے کے اعتبار سے روح کا اس طرح سے واپس لوٹنا ہی اسکی قیامت ہے.

جبکہ رجعت کا عقیدہ رکھنے والے اسلامی شریعت کی پیروی کرتے ہوئے قیامت اور معاد پر مکمل ایمان رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ کسی روح کا ایک بدن سے کسی دوسرے بدن میں منتقل ہونا محال ہے[1]

اہل تشیع صرف یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسانوں میں سے ایک گروہ قیامت سے پہلے اس دنیا میں واپس آئے گا اور چند حکمتوں اور مصلحتوں کے پورا ہوجانے کے بعد پھر اس دنیا سے چلا جائے گا. یہاں تک کہ یہ گروہ بھی باقی انسانوں کے ساتھ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا. اس اعتبار سے روح ایک بدن سے جدا ہونے کے بعد ہرگز دوسرے بدن میں منتقل نہیں ہوگی۔

---

(1)صدرالمتألہین نے اپنی کتاب اسفار (جلد 9 باب 8 فصل اول ص3) میں نظریہ تناسخ کو باطل کرتے ہوئے یوں تحریر فرمایا ہے: اگر ایک بدن سے نکلی ہوئی روح کسی دوسرے بدن میں اس حالت میں داخل ہوجائے جبکہ وہ بدن ابھی جنین کی شکل میں رحم مادر میں ہے یا اس کے علاوہ کسی دوسرے مرحلہ میں ہو تو اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ ایک ہی چیز بالقوہ بھی ہو اور بالفعل بھی، اور جو چیز بالفعل ہے اس کا بالقوۃ ہونا محال ہے اس لئے کہ ان دونوں میں مادی و اتحادی ترکیب ہے اور ایسی ترکیب طبیعی محال ہے جس میں دو ایسے امر جمع ہورہے ہوں جن میں سے ایک بالفعل ہے اور دوسرا بالقوہ.

گیارہواں سوال

جس شفاعت کا آپ عقیدہ رکھتے ہیں وہ کیا ہے؟

جواب: شفاعت، اسلام کی ایک ایسی مسلم الثبوت اصل ہے جسے تمام اسلامی فرقوں نے قرآن کی آیات اور روایات کی پیروی کرتے ہوئے قبول کیا ہے بس صرف ان کے درمیان شفاعت کے نتیجے کے بارے میں اختلاف نظر ہے.

شفاعت کی حقیقت یہ ہے کہ ایک ایسا محترم انسان جو پروردگار کے نزدیک صاحب مقام ومنزلت ہو وہ خداوند متعال سے کسی شخص کے گناہوں کی بخشش یا اس کے درجات کی بلندی کی دعا کرے.

رسول گرامی ﷺ فرماتے ہیں:

"أعطيت خمسًا...و أعطيت الشفاعة فادخرتها لأمتي"[1]

---

(1) مسند احمد جلد 1 ص 301، صحیح بخاری جلد 1 ص91 ط مصر.

پانچ چیزیں مجھے عطا کی گئی ہیں ... اور شفاعت مجھے عطا ہوئی ہے جسے میں نے اپنی امت کے لئے ذخیرہ کردیا ہے.

شفاعت کا دائرہ

قرآن مجید کی نگاہ میں وہ شفاعت صحیح نہیں ہے جو کسی قید اور شرط کے بغیر ہو بلکہ شفاعت صرف مندرجہ ذیل صورتوں میں مؤثر ہوگی:

1۔ شفاعت کرنے والا اس وقت شفاعت کرسکتا ہے جب کہ اسے شفاعت کرنے کے لئے خداوندعالم کی جانب سے اجازت حاصل ہو لہذا صرف وہ لوگ شفاعت کرسکتے ہیں جنہیں خدا سے معنوی قربت بھی حاصل ہو اوروہ اذن شفاعت بھی رکھتے ہوں قرآن مجید اس بارے میں فرماتا ہے:

(لایَمْلِکُونَ الشَّفَاعَةَ اِلاَّ مَنْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَانِ عَهْدًا)[1]

اس وقت کوئی شفاعت کے سلسلے میں صاحب اختیار نہ ہوگا مگر وہ جس نے رحمان کی بارگاہ میں شفاعت کا عہد لے لیا ہے.

اور ایک اور جگہ پر فرماتا ہے:

---

(1)سورہ مریم آیت: 87

(يَوْمَئِذٍ لاتَنفَعُ الشَّفَاعَةُ الاَّ مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمَانُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلاً)[1]

اس دن کسی کی سفارش کام نہ آئے گی سوائے ان کے جنہیں خدا نے اجازت دے دی ہو اور وہ ان کی بات سے راضی ہو.

2۔ ضروری ہے کہ جو شخص شفاعت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ شفاعت کرنے والے کے ذریعے فیض الہی کو لینے کی صلاحیت رکھتا ہو.

یعنی اس شخص کا خدا سے ایمانی رابطہ اور شفاعت کرنے والے سے روحانی رشتہ ٹوٹنے نہ پائے، لہذا کفار چونکہ خداوند کریم سے ایمانی رابطہ نہیں رکھتے اور اسی طرح بعض گنہگار مسلمان جیسے بے نمازی اور قاتل افراد چونکہ شفاعت کرنے والے سے روحانی رشتہ توڑ بیٹھے ہیں لہذا یہ سب شفاعت کے مستحق قرار نہیں پائیں گے.قرآن مجید بے نمازی اور منکر قیامت کے بارے میں فرماتا ہے:

(فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ)[2]

تو انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بھی کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی.اور قرآن مجید ظالم افراد کے بارے میں فرماتا ہے:

(مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلاَ شَفِيعٍ يُطَاعُ)[3]

اور ظالموں کیلئے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ ہی سفارش کرنے والا جس کی بات سن لی جائے.

---

(1)سورہ طہ آیت: 109

(2)سورہ مدثر آیت: 48

(3)سورہ غافر آیت: 18

شفاعت کا فلسفہ

شفاعت ، توبہ کی طرح امید کا ایک دروازہ ہے جسے ایسے لوگوں کیلئے قرار دیا گیا ہے جو گناہ اور ضلالت کے راستے کو چھوڑ کر اپنی باقی ماندہ عمر کو خدا کی اطاعت میں گزارنا چاہتے ہیں کیونکہ جب بھی گنہگار انسان یہ احساس کرلے کہ صرف چند محدود شرطوں کیساتھ (نہ یہ کہ ہر حالت میں) شفاعت کرنیوالے کی شفاعت کا مستحق ہوسکتا ہے تو پھر وہ کوشش کریگا کہ ان شرطوں کا خیال رکھے اور سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے.

شفاعت کا نتیجہ

مفسرین کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ شفاعت کا نتیجہ گناہوں کی بخشش ہے یا اس کا نتیجہ بلندی درجات ہے لیکن اگر پیغمبر گرامی ﷺ کے اس ارشاد کو ملاحظہ کیا جائے جس میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ :

"اِنّ شفاعت یوم القیامة لأهل الکبائر مِن أمتی"[1]

"میری شفاعت قیامت کے دن میری امت کے ان افراد کے لئے ہوگی جو گناہان کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں."

توپہلا نظریہ زیادہ صحیح نظر آتا ہے۔

---

(1) سنن ابن ماجہ جلد 2 ص 583، مسند احمد جلد 3 ص 213، سنن ابی داوٴد جلد 2 ص 537، سنن ترمذی جلد 4 ص 45

بارہواں سوال

کیا حقیقی شفاعت کرنے والوں سے بھی شفاعت کی درخواست کرنا شرک ہے؟

اس سوال کی وضاحت میں کہا جاتا ہے کہ شفاعت کرنا خدا کا مخصوص حق ہے جیسا کہ قرآن کریم اس بارے میں فرماتا ہے:

(قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا)[1]

کہہ دیجئے کہ شفاعت کا تمام تر اختیار اللہ کے ہاتھوں میں ہے.

لہذا غیر خدا سے شفاعت کی درخواست کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے مطلق حق کو اس کے بندے سے مانگا جائے در حقیقت اس قسم کی درخواست غیر خدا کی عبادت کرنا ہے اور یہ "توحید عبادی" کے خلاف ہے.

جواب:یہاں اس کی ذات یا اس کی خالقیت اور اسکے مدبر ہونے میں شرک نہیں ہےیہاں شرک سے مراد اسکی عبادت میں شرک کرنا ہے.

---

(1)سورہ زمر آیت44

واضح ہے کہ اس مسئلے کی وضاحت، عبادت کی صحیح تفسیر پر منحصر ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ عبادت کی تفسیر کرنے کا ہمیں اختیار نہیں دیا گیا تاکہ کہیں ہم مخلوق کے مقابلے میں ہر قسم کے خضوع اور کسی بندے سے کسی قسم کی درخواست کرنے کو عبادت قرار نہ دے بیٹھیں بلکہ قرآن مجید کی اس صراحت کے مطابق فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا ہے:

(فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ فَسَجَدَ الْمَلاَئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُونَ)[1]

جب میں اسے درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب سجدے میں گرپڑنا. تو تمام ملائکہ نے سجدہ کرلیا.

یہ سجدہ اگرچہ خداوندعالم کے فرمان سے انجام پایا تھاپھر بھی یہ حضرت آدم کی عبادت کے لئے نہ تھا ورنہ خداوند اس کے بجالانے کا حکم نہ دیتا.

اور اسی طرح ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت یعقوب کے بیٹوں اور خود حضرت یعقوب نے جناب یوسف کو سجدہ کیا تھا:

(وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا)[2]

اور انہوں نے والدین کو تخت کے اوپر پر جگہ دی اور سب لوگ یوسف کے سامنے سجدے میں گرپڑے.

اگر اس قسم کا خضوع حضرت یوسف کی عبادت ہوتا تو اسے نہ تو حضرت یعقوب

---

(1)سورہ ص آیت: 72اور 73

(2)سورہ یوسف آیت:100

جیسے معصوم نبی بجالاتے اور نہ ہی اپنے بیٹوں کے اس کام سے راضی ہوتے جب کہ کوئی خضوع بھی سجدے سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا اسی بنیاد پر ضروری ہے کہ ہم خضوع اور کسی غیر سے درخواست کرنے کو عبادت سے جدا سمجھیں.

عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کسی موجود کو خدا تصور کرے اور پھر اس کی عبادت کرے یا کسی شے کو مخلوق خدا تو جانے لیکن یہ تصور کرے کہ خدائی امور جیسے کائنات کی تدبیر اور گناہوں کی بخشش اس شے کے سپرد کردیئے گئے ہیں ـ لیکن اگر کسی شخص کے لئے ہمارا خضوع ایسا ہو کہ نہ تو ہم اسے خدا سمجھیں اور نہ ہی یہ تصور کریں کہ خدائی امور اس کے سپرد کردیئے گئے ہیں تو ہمارا یہ خضوع اس کے احترام کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا بالکل ایسے ہی جیسے فرشتوں نے جناب آدمؑ اور جناب یعقوب کے بیٹوں نے جناب یوسف کا احترام کیا تھا یہی بات شفاعت کے سلسلے میں بھی کہی جائے گی کہ اگر یہ تصور کیا جائے کہ شفاعت کرنے کا حق پوری طرح سے ان شفاعت کرنے والوں کے سپرد کردیا گیا ہے اور وہ بغیر کسی قید و شرط کے شفاعت کرسکتے ہیں اور گناہوں کی مغفرت کا سبب بن سکتے ہیں تو اس طرح کا عقیدہ شرک کا سبب بنتا ہے کیونکہ ہم نے خدا کے کام کو غیر خدا سے طلب کیا ہے لیکن جب بھی ہم تصور کریں کہ خدا کے کچھ پاک بندے ایسے ہیں جو شفاعت کے مالک تو نہیں ہیں لیکن کچھ مخصوص شرائط کے ساتھ گناہ گار بندوں کی شفاعت کرنے کی اجازت رکھتے ہیں کیونکہ شفاعت کی اہم ترین شرط یہی اذن اور رضایت پروردگار ہے تو واضح ہے کہ ایک صالح بندے سے اس طرح کی شفاعت طلب کرنے کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ ہم اسے خدا مان بیٹھے ہیں اسی طرح اس کا لازمہ یہ بھی نہیں ہے کہ خدا کے امور اس کو سونپ دئیے گئے ہیں بلکہ ہم نے اس سے ایسے کام کی درخواست کی ہے جس کی وہ لیاقت رکھتا ہے ہم پیغمبر خدا ﷺ کی حیات طیبہ میں اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ گناہ گار افراد آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر مغفرت کی درخواست کرتے تھے. لیکن آنحضرت ﷺ کبھی بھی ان کی طرف شرک کی نسبت نہیں دیتے تھے. جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں پیغمبر خدا ﷺ سے ایک روایت موجود ہے کہ جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"أتدرون ما خيّرنی ربی اللیلة؟ قلنا: اللّٰه ورسوله أعلم . قال: فانه خیّرنی بین أن یدخل نصف أمتی الجنة و بین الشفاعة فاختترت الشفاعة . قلنا یارسول اللّٰه: ادع اللّٰه أن یجعلنا من أهلها قاله لکل مسلم"[1]

کیا تم جانتے ہو کہ آج کی رات میرے رب نے مجھے کن چیزوں کے درمیان اختیار دیا تھا؟ ہم نے کہا خدا اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں. پیغمبر ﷺ نے فرمایا اس نے مجھے اختیار دیا ہے کہ یا تو میری آدھی امت جنت میں چلی جائے یا پھر میں شفاعت کا حق لے لوں میں نے حق شفاعت کو اختیار کرلیا. ہم نے کہا اے پیغمبر خدا ﷺ

---

(1)سنن ابن ماجہ جلد 2 ، باب ذکر الشفاعۃ ص 586

اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ ہمیں بھی شفاعت حاصل کرنے کے لائق بنادے. پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا : شفاعت ہر مسلمان کے لئے ہوگی.

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اصحاب پیغمبر ﷺ آنحضرت سے شفاعت کی درخواست کیا کرتے تھے اسی لئے انہوں نے پیغمبر ﷺ سے کہا تھا"ادع اللہ".

قرآن مجید بھی فرماتا ہے:

(وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوا اَنفُسَهُمْ جَائُ وکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللہ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمْ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللہ تَوَّابًا رَحِیمًا)[1]

اور اے کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے اور خود بھی اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتے تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے.

اسی طرح قرآن مجید ایک اور مقام پر جناب یعقوب کے بیٹوں کی درخواست کو نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے:

(قَالُوا یَاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا اِنَّا کُنَّا خَاطِئِینَ)[2]

---

(1)سورہ نساء آیت:64

(2)سورہ یوسف آیت: 97

ان لوگوں نے کہا باباجان اب آپ ہمارے گناہوں کے لئے استغفار کریں ہم یقینا خطاکار تھے.

اور حضرت یعقوب نے بھی ان کے لئے استغفار کرنے کا وعدہ کیا اور ہرگز اپنے بیٹوں پر شرک کا الزام نہیں لگایا.

(قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي اِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ)[1]

انہوں نے کہا کہ میں عنقریب تمہارے حق میں استغفار کروں گا کہ میرا پروردگار بہت بخشنے والا اور مہربان ہے.

---

(1)سورہ یوسف آیت: 98

تیرہواں سوال

کیا غیر خدا سے مدد مانگنا شرک ہے؟

جواب: عقل اور منطق وحی کے اعتبار سے تمام انسان بلکہ کائنات کے تمام موجودات جس طرح وجود میں آنے کے لئے خدا کے محتاج ہیں اسی طرح دوسروں پر اثر انداز ہونے کے لئے بھی اس کے محتاج ہیں.

قرآن مجید اس بارے میں فرماتا ہے:

(يَاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ اِلَى اللهِ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ)[1]

اے لوگو تم سب اللہ کی بارگاہ کے فقیر ہو اور اللہ صاحب دولت اور قابل حمد وثنا ہے.

اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے کہ ہر قسم کی فتح اور نصرت پروردگار جہان کے قبضۂ قدرت میں ہے.

---

(1)سورہ فاطر آیت 15

(وَمَا النَّصْرُ اِلاَّ مِنْ عِنْدِ اللهِ الْعَزِیزِ الْحَکِیمِ)[1]

مدد تو ہمیشہ صرف خدائے عزیز و حکیم ہی کی طرف سے ہوتی ہے.

اسلام کی اس مسلم الثبوت اصل کی بنیاد پر ہم سب مسلمان اپنی ہر نماز میں اس آیہ شریفہ کی تلاوت کرتے ہیں :

(اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِین)

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں .

اس مقدمہ کی روشنی میں اب ہم مذکورہ سوال کے جواب میں یہ کہنا چاہیں گے کہ:غیر خدا سے مدد مانگنا دو صورتوں میں قابل تصور ہے:

1۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ہم کسی انسان یا موجودات میں سے کسی سے اس طرح مدد مانگیں کہ اسے اس کے وجود یا اس کے اپنے کاموں میں مستقل سمجھیں اور اسے مدد پہنچانے میں خدا سے بے نیاز تصور کریں. ایسی صورت میں شک نہیں ہے کہ غیر خدا سے مدد مانگنا شرک ہوگا جیسے قرآن مجیددرج ذیل آیت میں اس کو باطل قرار دیتا ہے.

(قُلْ مَنْ ذَا الَّذِ یَعْصِمُکُمْ مِنَ اللهِ ِانْ اَرَادَ بِکُمْ سُوئً اَ وْ اَرَادَ بِکُمْ رَحْمَةً وَلایَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللهِ وَلِیًّا وَلانَصِیرًا)[2]

---

(2)سورہ آل عمران آیت 126

(2)سورہ احزاب آیت: 17

کہہ دیجئے کہ اگر خدا برائی کا ارادہ کرلے یا بھلائی ہی کرنا چاہے تو تمہیں اس سے کون بچا سکتا ہے اور یہ لوگ اس کے علاوہ نہ کوئی سرپرست پاسکتے ہیں اور نہ مددگار.

2۔دوسری صورت یہ ہے کہ کسی انسان سے مدد مانگتے وقت اسے خدا کی مخلوق اوراس کا ضرورتمند بندہ سمجھا جائے اور یہ عقیدہ ہو کہ وہ اپنی طرف سے کسی قسم کا استقلال نہیں رکھتا اور اسے بندوں کی مشکلات کو حل کرنے کی صلاحیت خدا اہی نے عطا فرمائی ہے.

اس فکر کی رو سے اگر کسی چیز میں ہم اس انسان سے مددمانگ رہے ہیں تو وہ اس سلسلے میں واسطے کا کام کرتا ہے کیونکہ پروردگار نے اسے بندوں کی حاجات کوپورا کرنے کے لئے "وسیلہ" قرار دیا ہے اس قسم کی مدد مانگنا حقیقت میں خداوندکریم سے مدد مانگنا ہے کیونکہ اسی نے ان وسائل اور اسباب کو وجود بخشا ہے اور اسی نے اس شخص کو انسانوں کی حاجات کوپورا کرنے کی صلاحیت اور قدرت عطا کی ہے اصولی طورپر بشر کی زندگی کی اساس ان اسباب اور مسببات سے مدد مانگنے پر استوار ہے اس طرح کہ ان سے مدد نہ لینے کی صورت میں انسان کی زندگی اضطراب کا شکار ہوجائیگی یہاں پر ہم اگر انہیں اس نگاہ سے دیکھیں کہ وہ خدا کی مددپہنچانے کا وسیلہ ہیں اور ان کا وجوداور ان کی تاثیر خدا کی طرف سے ہے تو ان سے مدد مانگنا کسی بھی اعتبار سے توحید اوریکتا پرستی کے خلاف نہیں ہے.

ایک موحد اور خدا شناس کسان جو کہ زمین پانی ہوا اور سورج سے مدد لے کر ایک بیج کو ایک پھل دار درخت میں تبدیل کردیتا ہے تو حقیقت میں وہ کسان خدا سے مدد مانگتا ہے کیونکہ وہی ہے کہ جس نے ان اسباب کو قدرت اور استعداد بخشی ہے.

واضح ہے کہ یہ مدد مانگنا توحید اور یکتا پرستی سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے بلکہ قرآن مجید تو ہمیں بعض چیزوں (جیسے صبر اور نماز) سے مدد لینے کا حکم دیتا ہے اور فرماتا ہے:

(وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلاة)[1]

صبر اور نماز کے ذریعہ مدد مانگو.

واضح ہے کہ صبر اور پائیداری انسان کا کام ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ان سے مدد حاصل کریں جب کہ اس قسم کی استعانت خدا سے مانگی جانے والی اس مدد کی مخالف نہیں ہے جسے اِیّاک نَستعینَ کے ذریعہ طلب کیا جاتا ہے۔

---

(1)سورہ بقرہ آیت 45

چودہواں سوال

کیا دوسروں کو پکارنا ان کی عبادت اور شرک ہے؟

جواب:اس قسم کے سوال کا سبب قرآن مجید کی وہ آیتیں ہیں جو اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے غیر خدا کو پکارنے سے روکتی ہیں :

(وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلا تَدْعُوا مَعَ اللهِ اَحَدًا)[1]

اور مساجد سب اللہ کے لئے ہیں لہذا اس کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو.

(وَلاتَدْعُ مِنْ دُونِ اللهِ مَا لايَنْفَعُکَ وَلايَضُرُّکَ)[2]

اور خدا کے علاوہ کسی ایسے کو آواز نہ دو جو نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان.

بعض لوگ اس قسم کی آیتوں کو سند بنا کر یہ کہتے ہیں کہ اولیائے خدا اور صالحین کو ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد پکارنا شرک اور ان کی عبادت ہے.

---

(1)سورہ جن آیت :18

(2)سورہ یونس آیت : 106

جواب: اس سوال کے جواب میں مناسب یہ ہے کہ سب سے پہلے ان دو کلمات "دعا" اور "عبادت" کے معنی واضح کردئے جائیںۙاس میں شک نہیں کہ عربی زبان

میں لفظ دعا کے معنی ندا اور پکارنے کے ہیں اور لفظ عبادت کے معنی پرستش کے ہیں اس اعتبار سے یہ دونوں الفاظ ہرگز ہم معنی نہیں ہیں یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہرندا اور طلب عبادت اور پرستش ہے اس کی مندرجہ ذیل دلیلیں ہیں :

1۔قرآن مجید میں لفظ دعوت بعض ایسی جگہوں پر استعمال ہوا ہے جہاں ہرگزیہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس سے مراد عبادت ہے جیسے:

(قَالَ رَبِّ اِنِّا دَعَوْتُ قَوْمِ لَیْلاً وَنَہَارًا)[1]

انہوں نے کہا پروردگار میں نے اپنی قوم کو دن میں بھی بلایا اور رات میں بھی.

کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت نوح کی مراد یہ تھی کہ میں نے دن رات ان کی عبادت کی ہے.

لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دعوت (پکارنا) اور عبادت ہم معنی کلمات ہیں لہذا اگر کوئی شخص پیغمبراکرم ﷺ یا کسی اور صالح بندے سے مدد طلب کرے اور انہیں پکارے تو اس کا یہ عمل ان کی عبادت شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ دعوت کے معنی میں پرستش کی بہ نسبت زیادہ عمومیت ہے.

---

(1) سورہ نوح آیت: 5

2۔آیات کے اس مجموعے میں دعا سے مراد ہر قسم کا پکارنا نہیں ہے بلکہ ایک خاص قسم کا پکارنا مقصود ہے جو کہ لفظ پرستش کا لازمہ ہوسکتا ہے کیونکہ یہ آیات ان بت پرستوں کے بارے میں آئی ہیں جو اپنے بتوں کو چھوٹے خدا تصور کرتے تھے. اس میں شک نہیں ہے کہ بت پرستوں کا خضوع ان کی دعا اور ان کی فریادیہ سب ایسے بتوں

کے مقابلے میں تھا جنہیں وہ حق شفاعت اور مغفرت کا مالک سمجھتے تھے ان کی نگاہ میں یہ بت دنیا اور آخرت کے امور میں مستقل طور پر حق تصرف رکھتے تھے اب یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان شرائط کے ساتھ ان موجودات کو پکارنا اور ان سے کسی قسم کی التجا کرنا ان کی عبادت شمار ہوگا کیونکہ وہ ان کو خدا کی حیثیت سے پکارتے تھے اور اس کا بہترین گواہ درج ذیل آیت ہے:

(فَمَا اَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمْ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ مِنْ شَيْءٍ)[1]

عذاب کے آجانے کے بعد انکے وہ خدا بھی کام نہ آئے جنہیں وہ خدا کو چھوڑ کر پکار رہے تھے.

لہذا یہ آیتیں ہماری بحث سے کوئی ربط نہیں رکھتیں کیونکہ ہماری بحث کا موضوع ایک بندے کا دوسرے بندے سے کوئی التجا کرنا ہے جبکہ یہ بندہ اسے نہ تو اپنا خدا سمجھتا ہے اور نہ ہی اسے دنیا و آخرت کے امور میں اپنا مالک ،تام الاختیار یا تصرف کرنے

---

(1)سورہ ہود آیت :101.

والا مانتا ہے بلکہ اسے خدا کا ایسا معزز اور محترم بندہ سمجھتا ہے جسے پروردگار عالم نے منصب رسالت یا امامت سے نوازا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ اس کی دعا کو اپنے بندوں کے حق میں قبول کرے گا اس سلسلے میں خدا فرماتا ہے:

(وَلَوْاَ نَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوا اَنفُسَهُمْ جَائُ وکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمْ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَحِيمًا)[2]

اور کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے اور خود بھی استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتے تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے.

3۔مذکورہ آیات اس بات پر شاہد ہیں کہ دعوت سے مراد ہر قسم کی درخواست اور حاجت نہیں ہے بلکہ اس دعوت سے مراد پرستش ہے اسی لئے ایک آیت میں لفظ دعوت کے بعد بلا فاصلہ اسی معنی کیلئے لفظ "عبادت" استعمال کیا گیا ہے

(وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِی اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِی سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ)[1]

---

(1)سورہ نساء آیت:64.

(2)سورہ غافر آیت 60

اور تمہارے پروردگار کا ارشاد ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا اور یقینا جو لوگ میری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے.

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا اس آیت کے آغاز میں لفظ "ادعونی" ہے اور اس کے ذیل میں لفظ "عبادتی" آیا ہے یہ اس بات پر شاہد ہے کہ ان آیتوں میں لفظ دعوت سے مراد وہ التجا و استغاثہ ہے جو ایسے موجودات سے کیا جاتا ہے جنہیں وہ خدا کی صفات سے متصف سمجھتے تھے۔.

نتیجہ: ان گزشتہ تین مقدموں کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ان آیات میں قرآن مجید کا بنیادی مقصد بت پرستوں کو بتوں کو پکارنے سے روکنا ہے وہ بت کہ جنہیں وہ خدا کا شریک یا مدبر یا صاحب شفاعت جانتے تھے.کفار کا ان بتوں کے سامنے ہر قسم کا خضوع اور احترام یا گریہ اور استغاثہ کرنا اور ان سے شفاعت کا طلب کرنا یا پھر ان سے اپنی حاجت طلب کرنا یہ سب اس وجہ سے تھا کہ وہ ان بتوں کو چھوٹے خدا سمجھتے تھے اور انہیں خدا کے کاموں کو انجام دینے والا تصور کرتے تھے بت پرستوں کا یہ عقیدہ تھا کہ خدا نے دنیا اور آخرت کے متعلق بعض کام ان بتوں کو سونپ دئے ہیں اس اعتبار سے ان آیتوں کا ایک ایسے روح رکھنے والے انسان سے استغاثہ کرنے سے کیا تعلق ہے جو پکارنے والے کی نظر میں ذرہ برابر بھی بندگی کی حد سے باہر قدم نہیں رکھتا بلکہ اس کی نگاہ میں خداوندعالم کا محبوب و محترم بندہ ہے.

اگر قرآن مجید فرماتا ہے:

(وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلاَ تَدْعُوا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا)[1]

"اور مساجد سب اللہ کے لئے ہیں لہٰذا اس کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو."

تو اس سے مراد پرستش کے قصد سے پکارنا ہے کیونکہ زمانۂ جاہلیت کے عرب بتوں، ستاروں، فرشتوں، اور جنوں کی پوجا کیا کرتے تھے یہ آیت اور اس قسم کی دوسری آیتیں کسی شخص یا کسی شے کو معبود سمجھ کر پکارنے سے متعلق ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ان موجودات سے اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہوئے کسی چیز کی درخواست کرنا ان کی عبادت شمار ہوگا لیکن ان آیتوں کا کسی ایسے شخص سے دعا کرنے سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کے سلسلے میں دعا کرنے والا شخص اس کی ربوبیت یا الوہیت کا قائل نہیں ہے بلکہ اس شخص کو خدا کا بہترین اور محبوب بندہ سمجھتا ہے؟ ممکن ہے کوئی یہ تصور کرے کہ اولیائے خدا کو صرف ان کی زندگی میں پکارنا جائز ہے اور ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد انہیں پکارنا شرک ہے.

اس سوال کے جواب میں ہم کہیں گے:

1۔ہم خاک میں سونے والے جسموں سے مدد نہیں مانگتے ہیں بلکہ ایسے نیک بندوں کی پاک ارواح (جیسے پیغمبر ﷺ اور اماموں) سے مدد مانگتے ہیں جو قرآنی آیات کی

صراحت کے مطابق زندہ ہیں اور شہداء سے بھی بلند وبالا مقام و منزلت کے ساتھ برزخ کی زندگی گزار رہے ہیں اور اگر ہم ان کی قبروں پر جاکر ان سے اس طرح کی درخواستیں کرتے ہیں تو یہ اس وجہ سے ہے کہ یہاں آکر ہم ان کی مقدس ارواح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان سے رابطہ قائم کرتے ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ روایات کے مطابق یہ مقدس مقامات وہ ہیں جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں.

2۔ان اولیائے الٰہی کا بقید حیات ہونا یا حیات سے متصف نہ ہونا شرک یا توحید کی شناخت کا معیار نہیں ہے اور ہماری گفتگو شرک اور توحید کے معیار کے بارے میں ہے لیکن ان کو پکارنا فائدہ مند ہے یا نہیں ؟تو یہ ہماری گفتگو سے خارج ہے.

البتہ اس مسئلے (کہ کیا اس قسم کے استغاثے فائدہ مند ہیں ؟) کے بارے میں گفتگو اس کی مناسب جگہ پر موجود ہے۔

---

(1) سورہ جن آیت 18

پندرہواں سوال

''بدائ'' کیا ہے اور آپ اس کا عقیدہ کیوں رکھتے ہیں ؟

جواب:عربی زبان میں لفظ "بدائ" کے معنی آشکار اور ظاہر ہونے کے ہیں اسی طرح شیعہ علماء کی اصطلاح میں ایک انسان کے نیک اور پسندیدہ اعمال کی وجہ سے اس کی تقدیر و سرنوشت میں تبدیلی کو "بدائ" کہا جاتا ہے.

عقیدۂ بداء شیعیت کی آفاقی تعلیمات کے عظیم عقائد میں سے ایک ہے جسکی اساس وحی الہی اور عقلی استدلال پر استوار ہے.

قرآن کریم کی نگاہ میں ایسا نہیں ہے کہ انسان کے ہاتھ اس کے مقدرات کے سامنے ہمیشہ کے لئے باندھ دیئے گئے ہوں بلکہ سعادت کی راہ اس کے لئے کھلی ہوئی ہے اور وہ راہ حق کی طرف پلٹ کر اپنے اچھے اعمال کے ذریعہ اپنی زندگی کے انجام کو بدل سکتا ہے اس حقیقت کو اس کتاب الہی نے ایک عمومی اور مستحکم اصل کے عنوان سے یوں بیان کیا ہے:

(اِنَّ اللّٰہ لایُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِاَنفُسِھِمْ)[1]

اور خداوند کسی قوم کے حالات کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے کو تبدیل نہ کرلے.

اور ایک جگہ فرماتا ہے:

(وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرَی آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکَاتٍ مِنْ السَّمَائِ وَالْاَرْضِ)[2]

اور اگر اہل قریہ ایمان لے آتے اور تقوی اختیار کرلیتے تو ہم ان کے لئے زمین اور آسمان سے برکتوں کے راستے کھول دیتے.

اسی طرح حضرت یونس کی سرنوشت کی تبدیلی کے بارے میں فرماتا ہے:

(فَلَوْلاَاَنَّہُ کَانَ مِنْ الْمُسَبِّحِینَ لَلَبِثَ فِی بَطْنِھَا لَی یَوْمِ یُبْعَثُونَ)[3]

پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو روز قیامت تک اسی (مچھلی) کے شکم میں رہ جاتے.

اس آخری آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ظاہری اعتبار سے حضرت یونس نبی کا قیامت تک اس خاص زندان میں باقی رہنا قطعی تھا لیکن ان کے نیک اعمال

---

(1)سورہ رعد آیت:11

(2)سورہ اعراف آیت:96

(3)سورہ صافات آیت 143اور 144

(تسبیح پروردگار) نے ان کی سرنوشت کوبدل دیا اور انہیں اس سے نجات دلائی.

یہ حقیقت اسلامی روایات میں بھی بیان ہوئی ہے پیغمبر گرامی ﷺ اس بارے میں فرماتے ہیں :

"اِن الرجل لیُحرم الرزق بالذنب یصیبه ولا یرد القدر اِلا الدعاء ولا یزید ف العمر اِلا البرّ"[1]

بے شک انسان گناہ کی وجہ سے اپنی روزی سے محروم ہوجاتا ہے ایسے موقع پر دعا کے علاوہ کوئی اور چیز اس کی تقدیر کو تبدیل نہیں کرسکتی اور نیکی کے علاوہ کوئی اور چیز اس کی عمر کو نہیں بڑھا سکتی.

یہ اور اس قسم کی دوسری روایتوں سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے کہ انسان گناہ کی بدولت روزی سے محروم ہو جاتا ہے ; لیکن اپنے نیک اعمال (جیسے دعا مانگنے) کے ذریعہ اپنی سرنوشت کو بدل سکتا ہے اور نیکی کر کے اپنی عمر بڑھا سکتا ہے.

نتیجہ:قرآنی آیات اور سنت پیغمبر ﷺ سے استفادہ ہوتا ہے کہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس مادی دنیا کے اسباب و مسببات اور کاموں کے ردعمل سے بھی تقدیر بدل جاتی ہے یا اولیائے خدا (جیسے نبی یا امام) انسان کو خبر دے کہ اگر اس کا طرز عمل اسی طرح رہا تو اس کا مقدر یہ ہوگا لیکن اگر وہ یکبارگی کسی وجہ سے اپنے کردار کو سنوار لے تو

---

(1) مسند احمد جلد 5 ص 277 او ر مستدرک حاکم جلد 1 ص 493 اور اسی کی مثل "التاج الجامع للاصول" جلد 5 ص 111 میں ہے.

اپنی عاقبت کو تبدیل کر سکتا ہے.

اس حقیقت کو خدا کی وحی، پیغمبر اسلام ﷺ کی سنت اور عقل سلیم کے فیصلوں سے درس لے کر حاصل کیا گیا ہے۔ اور اسے شیعہ علماء بداء کے نام سے یاد کرتے ہیں.

یہاں پر اس بات کا واضح کردینا مناسب ہوگا کہ "بدائ" کی تعبیر عالم تشیع سے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ تعبیر پیغمبر اکرم ﷺ کی احادیث اور اہل سنت کی تحریروں میں بھی

دکھائی دیتی ہے نمونے کے طور پر ذیل کی حدیث ملاحظہ ہو جس میں پیغمبر اکرم ﷺ نے اس کلمہ کو استعمال فرمایا ہے:

"وبدالله عزّ وجلّ أن يبتليهم"[1]

اس نکتے کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ بداء کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خداوند کریم کے لامتناہی علم میں کسی قسم کی تبدیلی رونما ہوتی ہے کیونکہ خداوند کریم ابتداء ہی سے انسانی افعال کے فطری نتائج اور بدا کا موجب بننے والے عوامل سے بخوبی آگاہ ہے اس بات کی قرآن مجید نے بھی خبر دی ہے.

(يَمْحُوا اللهُ مَا يَشَائُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُا ُمُّ الْكِتَابِ)[2]

اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے یا برقرار رکھتا ہے کہ اصل کتاب اسی کے پاس ہے.

---

(1)النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، مؤلف مجدالدین مبارک بن محمد جزری جلد1 ص 109

(2)سورہ رعد آیت: 39

لہذا خداوند کریم ظہور بداء کے وقت اس حقیقت کو ہمارے لئے آشکار کرتا ہے جو ازل ہی سے اس کے علم میں تھی اسی وجہ سے امام صادق فرماتے ہیں:

"مابدا الله فی شیء اِلا کان فی علمه قبل أن یبدوله"[1]

خداوندعالم کو کسی چیز میں بداء نہیں ہوتا ہے مگر یہ کہ ازل سے اس کو اس کا علم تھا.

بداء کا فلسفہ

اس میں شک نہیں کہ اگر انسان یہ جان لے کہ تقدیر کو بدلنا اس کے اختیار میں ہے تو وہ ہمیشہ اپنے مستقبل کو سنوارنے کے درپے رہے گا اور زیادہ سے زیادہ ہمت اور کوشش کے ساتھ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرے گا.

دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ جس طرح توبہ اور شفاعت انسان کو ناامیدی اور مایوسی سے نجات دلاتی ہے اسی طرح بداء کا عقیدہ بھی انسان کے اندر نشاط اور شادابی پیدا کرتا ہے اور انسان کو روشن مستقبل کا امیدوار بناتا ہے کیونکہ اس عقیدے کی روشنی میں انسان یہ جان لیتا ہے کہ پروردگار عالم کے حکم سے وہ اپنی تقدیر کو بدل سکتا ہے اور ایک بہتر مستقبل حاصل کرکے اپنی عاقبت سنوار سکتا ہے۔

---

(1) اصول کافی جلد 1 کتاب التوحید باب البداء حدیث نمبر9

سولہواں سوال

کیا شیعہ قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں ؟

جواب: شیعوں کے مشہور علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی بھی قسم کی تحریف نہیں ہوئی ہے اور وہ قرآن جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے بعینہ وہی آسمانی کتاب ہے جو پیغمبر گرامی ﷺ پر نازل ہوئی تھی اور اس میں کسی قسم کی زیادتی اور کمی نہیں ہوئی ہے اس بات کی وضاحت کے لئے ہم یہاںچند شواہد کی طرف اشارہ کرتے ہیں :

1۔پروردگار عالم مسلمانوں کی آسمانی کتاب کی صیانت اور حفاظت کی ضمانت لیتے ہوئے فرماتا ہے :

(انَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَانَّا لَهُ لَحَافِظُونَ)[1]

ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں.

---

(1) سورہ حجر آیت :9

واضح ہے کہ ساری دنیا کے شیعہ چونکہ قرآن مجید کو اپنے افکار اور کردار کے لئے اساس قرار دیتے ہیں لہذا اس آیہ شریفہ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے اس آیت میں موجود اس پیغام پر کامل ایمان رکھتے ہیں جو اس کتاب خدا کی حفاظت سے متعلق ہے.

2۔ شیعوں کے عظیم الشأن امام حضرت علی نے جو ہمیشہ پیغمبر اکرم ﷺ کے ہمراہ رہے اور کاتبان وحی میں سے ایک تھے آپ سے لوگوں کو مختلف موقعوں اور مناسبتوں پر اسی قرآن کی طرف دعوت دی ہے ہم اس سلسلے میں ان کے کلام کے کچھ حصے یہاں پیش کرتے ہیں :

"واعلموا أن هذا القرآن هو الناصح الذی لایغشی والهاد الذی لایضلّ" (1)

جان لو کہ یہ قرآن ایسا نصیحت کرنے والا ہے جو ہرگز خیانت نہیں کرتا اور ایسا رہنمائی کرنے والا ہے جو ہرگز گمراہ نہیں کرتا.

"ان الله سبحانه لم یعط أحداً بمثل هذا القرآن فانه حبل الله المتین و سببه المبین" (2)

بے شک خداوند سبحان نے کسی بھی شخص کو اس قرآن کے جیسی نصیحت عطا نہیں فرمائی ہے کہ یہی خدا کی محکم رسی اور اس کا واضح وسیلہ ہے.

---

(1) نہج البلاغہ (صبحی صالح) خطبہ نمبر 176

(2) گذشتہ حوالہ.

"ثم أنزل عليه الكتاب نورًا لا تطفأ مصابيحه و سراجًا لا يخبو توقده.ومنهاجًا لا يضل نهجه . .. و فرقانا لا يخمد برهانه"[1]

اور پھر آپ ﷺ پر ایسی کتاب کو نازل کیا جس کا نور کبھی خاموش نہیں ہوگا اور جس کے چراغ کی لو کبھی مدھم نہیں پڑ سکتی وہ ایسا راستہ ہے جس پر چلنے والا کبھی بھٹک نہیں سکتا اور ایسا حق اور باطل کا امتیاز ہے جو کمزور نہیں پڑ سکتا .

شیعوں کے امام عالی شان امام حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کے گہربار کلام سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن مجید کی مثال ایک ایسے روشن چراغ کی ہے جو ہمیشہ اپنے پیروکاروں کے لئے مشعل راہ کا کام کرے گا. اور ساتھ ہی ساتھ اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں ہوگی جو اس کے نور کے خاموش ہوجانے یا انسانوں کی گمراہی کا باعث ہو .

3۔ شیعہ علماء اس بات پر اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے :

"میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک کتاب خدا (قرآن) ہے اور دوسرے میرے اہل بیت

---

(1) نہج البلاغہ (صبحی صالح) خطبہ نمبر198

ہیں جب تک تم ان دو سے متمسک رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے."

یہ حدیث اسلام کی متواتر احادیث میں ایک ہے جسے شیعہ اور سنی دونوں فرقوں نے نقل کیا ہے.

اس بیان سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ شیعوں کی نظر میں کتاب خدا میں ہرگز کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر قرآن مجید میں تحریف کا امکان ہوتا تو اس سے تمسک اختیار کر کے ہدایت حاصل کرنا اور گمراہی سے بچنا ممکن نہ ہوتا اور پھر اس کے نتیجہ میں قرآن اور حدیث ثقلین کے درمیان ٹکراؤ ہوجاتا.

4.شیعوں کے اماموں نے اپنی روایات میں (جنہیں ہمارے تمام علماء اور فقہا نے نقل کیا ہے) اس حقیقت کو.بیان کیا ہے کہ قرآن مجید حق وباطل اور صحیح و غلط کے درمیان فرق پیدا کرنے والا ہے لہذا ہر کلام حتی ہم تک پہنچنے والی روایات کے لئے ضروری ہے کہ انہیں قرآن مجید کے میزان پر تولا جائے اگر وہ قرآنی آیات کے مطابق ہوں تو حق ہیں ورنہ باطل. اس سلسلے میں شیعوں کی فقہ اور احادیث سے متعلق کتابوں میں بہت سی روایتیں ہیں ہم یہاں ان میں سے صرف ایک روایت کو پیش کرتے ہیں :

امام صادق فرماتے ہیں :

"مالم یوافق من الحدیث القرآن فھو زخرف"[1]

ہر وہ کلام باطل ہے جو قرآن سے مطابقت نہ رکھتا ہو.

---

(1) اصول کافی جلد1 کتاب فضل العلم باب الاخذ بالسنۃ و شواہد الکتاب روایت نمبر4

اس قسم کی روایات سے بھی یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن مجید میں کسی بھی قسم کی تحریف نہیں کی جاسکتی اسی وجہ سے اس کتاب کی یہ خاصیت ہے کہ وہ حق و باطل میں فرق پیدا کرنے والی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے.

5. شیعوں کے بزرگ علماء نے ہمیشہ اسلام اور تشیع کی آفاقی تہذیب کی حفاظت کی ہے ان سب نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ قرآن مجیدمیں کبھی کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے چوں کہ ان تمام بزرگوں کے نام تحریر کرنا دشوار کام ہے لہذا ہم بطور نمونہ ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں :

1۔جناب ابوجعفر محمدبن علی بن حسین بابویہ قمی (متوفی 381ھ) جو "شیخ صدوق" کے نام سے مشہورہیں فرماتے ہیں :

" قرآن مجید کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے وہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں باطل نہیں آسکتا وہ پروردگار حکیم و علیم کی بارگاہ سے نازل ہواہے اور اسی کی ذات اس کو نازل کرنے اور اس کی محافظت کرنے والی ہے."[1]

2۔جناب سید مرتضیٰ علی بن حسین موسوی علوی (متوفی 436ھ)جو "علم الہدیٰ" کے نام سے مشہورہیں فرماتے ہیں :

---

(1) الاعتقادات ص 93

"پیغمبر اکرم ﷺ کے بعض صحابۂ کرام جیسے عبداللہ بن مسعود اور اُبیّ بن کعب وغیرہ نے بارہا آنحضرت ﷺ کے حضور میں قرآن مجید کو اول سے لے کر آخر تک پڑھا ہے یہ بات اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ قرآن مجید ترتیب کے ساتھ اور ہر طرح کی کمی یا پراگندگی کے بغیر اسی زمانے میں جمع کر کے مرتب کیا جا چکا تھا."[1]

3۔جناب ابوجعفر محمد بن حسن طوسی (متوفی 460ھ) جوکہ شیخ الطائفہ کے نام سے مشہور تھے وہ فرماتے ہیں :

"قرآن مجید میں کمی یا زیادتی کا نظریہ کسی بھی اعتبار سے اس مقدس کتاب کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ تمام مسلمان اس بات پر اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں کسی طرح کی زیادتی واقع نہیں ہوئی ہے اسی طرح ظاہراً سارے مسلمان متفق ہیں کہ قرآن مجید میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی ہے اور یہ نظریہ کہ (قرآن میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی ہے) ہمارے مذہب سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے جناب سید مرتضی نے بھی اس بات کی تائید کی ہے اور روایات کے ظاہری مفہوم سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کچھ لوگوں نے بعض ایسی روایتوں کی طرف اشارہ کیا ہے

---

(1) مجمع البیان جلد1 ص 10 میں سید مرتضیٰ کی کتاب "المسائل الطرابلسیات" سے نقل کرتے ہوئے.

جن میں قرآن مجید کی آیات میں کمی یا ان کے جابجا ہوجانے کا ذکر ہے ایسی روایتیں شیعہ اور سنی دونوں ہی کے یہاں پائی جاتی ہیں ۔ لیکن چونکہ یہ روایتیں خبر واحد ہیں ان سے نہ تو یقین حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی ان پر عمل کیا جاسکتا ہے. [1] لہذا بہتر یہ ہے کہ اس قسم کی روایتوں سے روگردانی کی جائے۔"[2]

4۔جناب ابوعلی طبرسی صاحب تفسیر "مجمع البیان" فرماتے ہیں :

"پوری امت اسلامیہ اس بات پر متفق ہے کہ قرآن مجید میں کسی بھی قسم کا اضافہ نہیں ہوا ہے اس کے برخلاف ہمارے مذہب کے کچھ افراد اور اہل سنت کے درمیان "حشویہ" فرقہ کے ماننے والے قرآن مجید کی آیات میں کمی کے سلسلے میں بعض روایتوں کو پیش کرتے ہیں لیکن جس چیز کو ہمارے مذہب نے مانا ہے جو صحیح بھی ہے وہ اس نظریہ کے برخلاف ہے."[3]

5۔جناب علی بن طاؤس حلی (متوفی 664ھ) جو "سید بن طاؤس" کے نام سے مشہور ہیں فرماتے ہیں :

---

(1) ایسی روایت جو حد تواتر تک نہ پہنچتی ہو اور اس کے صدق کا یقین بھی نہ کیا جاسکتا ہو وہ خبر واحد کہلاتی ہے.(مترجم)

(2)تفسیر تبیان جلد 1 ص 3.

(3)تفسیر مجمع البیان جلد 1 ص 10.

"شیعوں کی نگاہ میں قرآن مجید میں کسی بھی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے"[1]

6۔ جناب شیخ زین الدین عاملی (متوفی 877ھ) اس آیہ کریمہ:

(انَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ)کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"یعنی ہم قرآن مجید کو ہر قسم کی تبدیلی اور زیادتی سے محفوظ رکھیں گے."[2]

7۔ کتاب احقاق الحق کے مؤلف سید نور اللہ تستری (شہادت 1019ھ) جو کہ شہید ثالث کے لقب سے مشہور ہیں فرماتے ہیں :

" بعض لوگوں نے شیعوں کی طرف یہ نسبت دی ہے کہ وہ قرآن میں تبدیلی کے قائل ہیں لیکن یہ سارے شیعوں کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ ان میں سے بہت تھوڑے سے افراد ایسا عقیدہ رکھتے ہیں اور ایسے افراد شیعوں کے درمیان مقبول نہیں ہیں ."[3]

8۔جناب محمد بن حسین (متوفی 1030ھ)جو"بہاء الدین عاملی "کے نام سے مشہور ہیں فرماتے ہیں کہ:

---

(1) سعد السعود ص 1144

(2)اظہار الحق ج2 ص 130

(3)آلاء الرحمن ص 25

" صحیح یہ ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کی کمی و زیادتی سے محفوظ ہے اور یہ کہنا کہ امیر المومنین علی کا نام قرآن مجید سے حذف کردیا گیا ہے" ایک ایسی بات ہے جو علماء کے نزدیک ثابت نہیں ہے جو شخص بھی تاریخ اور روایات کا مطالعہ کرے گا اس کو معلوم ہوجائے گا کہ قرآن مجید متواتر روایات اور پیغمبر اکرم ﷺ کے ہزاروں اصحاب کے نقل کرنے کی وجہ سے ثابت و استوار ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے میں ہی پورا قرآن جمع کیا جاچکا تھا."[1]

9۔کتاب وافی کے مؤلف جناب فیض کاشانی (متوفی 1091ھ) نے آیت (اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ)کو اور اس جیسی آیتوں کو قرآن مجید میں عدم تحریف کی دلیل قرار دیتے ہوئے یوں لکھا ہے:

"اس صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن مجید میں تحریف واقع ہو ساتھ ہی ساتھ تحریف پر دلالت کرنے والی روایتیں کتاب خدا کی مخالف بھی ہیں لہذا ضروری ہے کہ اس قسم کی روایات کو باطل سمجھا جائے."[2]

10۔جناب شیخ حر عاملی (متوفی 1104ھ) فرماتے ہیں کہ :

"تاریخ اور روایات کی چھان بین کرنے والا شخص اس بات کو

---

(1)آلاء الرحمن ص 25

(2)تفسیر صافی جلد 1 ص 51

اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ قرآن مجید، متواتر روایات اورہزاروں صحابہ کرام کے نقل کرنے سے ثابت و محفوظ رہا ہے اور یہ قرآن پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے میں ہی منظم صورت میں جمع کیا جاچکا تھا.''[1]

11۔بزرگ محقق "جناب کاشف الغطائؒ" اپنی معروف کتاب "کشف الغطائؒ" میں لکھتے ہیں :

"اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید خداوندکریم کی صیانت و حفاظت کے سائے میں ہر قسم کی کمی و تبدیلی سے محفوظ رہا ہے اس بات کی گواہی خود قرآن مجید بھی دیتا ہے اور ہر زمانے کے علماء نے بھی یک زبان ہو کر اس کی گواہی دی ہے اس سلسلے میں ایک مختصر سے گروہ کا مخالفت کرنا قابل اعتناء نہیں ہے."

12۔اس سلسلہ میں انقلاب اسلامی کے رہبر حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان بھی موجود ہے جسے ہم ایک واضح شاہد کے طور پر پیش کرتے ہیں :

ہر وہ شخص جو قرآن مجید کے جمع کرنے اس کی حفاظت کرنے، اس کو حفظ کرنے ، اس کی تلاوت کرنے اور اس کے لکھنے کے بارے میں مسلمانوں کی احتیاط سے آگاہی رکھتا ہو وہ قرآن کے سلسلے میں نظریہ تحریف کے باطل ہونے کی گواہی دے گا اور وہ

---

(1)آلاء الرحمن ص25

روایات جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں جن کے ذریعے استدلال نہیں کیا جاسکتا یا پھر مجہول ہیں جس سے ان کے جعلی ہونے کی نشاندہی ہوتی ہے یا یہ روایتیں قرآن کی تاویل اور تفسیر کے بارے میں ہیں یا پھر کسی اور قسم کی ہیں جن کے بیان کے لئے ایک جامع کتاب تالیف کرنے کی ضرورت ہے اگر موضوع بحث سے خارج ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو یہاں پر ہم قرآن کی تاریخ بیان کرتے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح کرتے کہ ان چند صدیوں میں اس قرآن پر کیسے حالات گزرے ہیں اور اس بات کو بھی روشن کردیتے کہ جو قرآن مجید آج ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ بعینہ وہی آسمان سے آنے والی کتاب ہے اور وہ اختلاف جو قرآن کے قاریوں کے درمیان پایا جاتا ہے وہ ایک جدید امر ہے جس کا اس قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے جسے لے کر جبرئیل امین پیغمبر ﷺ کے قلب مطہر پر نازل ہوئے تھے."[1]

نتیجہ: مسلمانوںکی اکثریت خواہ وہ شیعہ ہوں یا سنی اس بات کی معتقد ہے کہ یہ آسمانی کتاب بعینہ وہی قرآن ہے جو پیغمبر خدا ﷺ پر نازل ہوئی تھی اور وہ ہر قسم کی تحریف، تبدیلی، کمی اور زیادتی سے محفوظ ہے.

---

(1)تہذیب الاصول، جعفر سبحانی (دروس امام خمینی قدس سرہ) جلد2ص96

ہمارے اس بیان سے شیعوں کی طرف دی جانے والی یہ نسبت باطل ہوجاتی ہے کہ وہ قرآن میں تحریف کے قائل ہیں اگر اس تہمت کا سبب یہ ہے کہ چند ضعیف روایات ہمارے ہاں نقل ہوئی ہیں تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ ان ضعیف روایات کو شیعوں کے ایک مختصر فرقے ہی نے نہیں بلکہ اہل سنت کے بہت سے مفسرین نے بھی اپنے ہاں نقل کیا ہے یہاں ہم نمونے کے طور پر ان میں سے بعض روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں :

1۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی اپنی تفسیر میں ابوبکر انبازی سے اور نیز

ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ سورہ احزاب (جس میں تہتر آیتیں ہیں) پیغمبر ﷺ کے زمانے میں سورہ بقرہ (جس میں دو سو چھیاسی آیتیں ہیں) کے برابر تھا اور اسوقت اس سورہ میں آیہ "رجم" بھی شامل تھی.[1]

(لیکن اب سورہ احزاب میں یہ آیت نہیں ہے) اور نیز اس کتاب میں عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا :

"پیغمبر ﷺ کے زمانے میں سورۂ احزاب میں دو سو آیتیں تھیں پھر بعد میں جب مصحف لکھا گیا تو جتنی اب اس سورہ میں آیتیں ہیں ان سے زیادہ نہ مل سکیں"[2]

2۔ کتاب "الاتقان" کے مؤلف نقل کرتے ہیں کہ "اُبَیّ" کے قرآن میں ایک سو سولہ

---

(1) تفسیر قرطبی جز 14 ص 113 سورہ احزاب کی تفسیر کی ابتداء میں.

(2) گذشتہ حوالہ

سورے تھے کیونکہ اس میں دو سورے حفد اور خلع بھی تھے .جب کہ ہم سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید کے سوروں کی تعداد ایک سو چودہ ہے اور ان دو سوروں (حفد اور خلع) کا قرآن مجید میں نام ونشان تک نہیں ہے. (1)

3۔ ہبۃ اللہ بن سلامہ اپنی کتاب "الناسخ والمنسوخ" میں انس بن مالک سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں : "پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہم ایک ایسا سورہ پڑھتے تھے جو سورۂ توبہ کے برابر تھا مجھے اس سورہ کی صرف ایک ہی آیت یاد ہے اور وہ یہ ہے:

"لوأن لابن آدم وادیان من الذهب لابتغیٰ اِلیهما ثالثاً ولو أن له ثالثاً لابتغیٰ لیها رابعاً ولا یملأ جوف ابن آدم اِلا التراب و یتوب الله علیٰ مَن تاب!"

جب کہ ہم سب جانتے ہیں کہ اس قسم کی آیت قرآن میں موجود نہیں ہے اور یہ جملے قرآنی بلاغت سے بھی مغایرت رکھتے ہیں.

4۔.جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر در المنثور میں عمر بن خطاب سے روایت کرتے ہیں کہ سورہ احزاب سورہ بقرہ کے برابر تھا اور آیہ "رجم" بھی اس میں موجود تھی (2)

لہذا شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کے کچھ افراد نے قرآن میں تحریف کے بارے

---

(1) اتقان جلد 1 ص 67.

(2)تفسیر در المنثور جلد 5 ص 180 سورہ احزاب کی تفسیر کی ابتداء میں

میں ایسی ضعیف روایتوں کو نقل کیا ہے جنہیں مسلمانوں کی اکثریت نے خواہ وہ شیعہ ہوں یا سنی قبول نہیں کیا ہے.

بلکہ قرآن کی آیتوں، عالم اسلام کی صحیح اور متواتر روایتوں، اجماع، ہزاروں اصحاب پیغمبر ﷺ کے نظریات اور دنیا کے تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید میں کسی بھی قسم کی تحریف، تبدیلی، کمی یا زیادتی نہ آج تک ہوئی ہے اور نہ ہی رہتی دنیا تک ہوگی۔

سترہواں سوال

صحابۂ کرام کے بارے میں شیعوں کا کیا نظریہ ہے؟

جواب: شیعوں کے نزدیک پیغمبر خدا ﷺ کو دیکھنے اور انکی مصاحبت سے شرفیاب ہونے والے افراد چند گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں لیکن اس بات کی وضاحت سے قبل بہتر یہ ہے کہ لفظ "صحابی" کو واضح کردیا جائے صحابی پیغمبر ﷺ کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں یہاںہم ان میں سے بعض تعریفوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

1۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ: "صحابی" وہ ہے جو ایک یا دو سال تک پیغمبر خدا ﷺ کی خدمت میں رہا ہو اور اس نے آنحضرت ﷺ کی ہمراہی میں ایک یا دو جنگیں بھی لڑی ہوں.[1]

2۔ واقدی کہتے ہیں کہ: علماء کے نزدیک ہر وہ شخص رسول ﷺ کا صحابی شمار ہوتا ہے جس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہو اور اسلام کی طرف مائل ہو اور اس نے دین اسلام کے سلسلے میں غور و فکر کرنے کے بعد اسے قبول کرلیا ہو اگرچہ وہ گھنٹہ بھر ہی آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہا ہو.[2]

---

(1) اسد الغابۃ جلد1 ص 11، 12 طبع مصر

(2)گذشتہ حوالہ

3۔ محمد بن اسماعیل بخاری کہتے ہیں کہ: مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص جو آنحضرت ﷺ کی مصاحبت میں رہا ہو یا اس نے آپ ﷺ کو دیکھا ہو وہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب میں شمار ہوگا.[1]

4۔ احمد ابن حنبل کہتے ہیں کہ: ہر وہ شخص جو ایک ماہ یا ایک دن یا چند گھڑیاں پیغمبر اکرم ﷺ کے ہمراہ رہا ہو یا اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہو وہ ان کے اصحاب میں شمار ہوگا.[2]

علمائے اہل سنت کے نزدیک "عدالت صحابہ" ایک متفق علیہ مسئلہ ہے اس کے مطابق جس شخص کو بھی پیغمبر اکرم ﷺ کی مصاحبت حاصل ہوئی ہو وہ عادل ہے! [3]

یہاں پر ضروری ہے کہ اس نظریہ کا قرآنی آیات کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ اس بارے میں وحی الہی کے سرچشمہ سے حاصل شدہ شیعوں کے نکتہ نظر کا بھی تذکرہ کیا جائے۔

تاریخ نے بارہ ہزار سے زیادہ افراد کے نام اصحاب پیغمبر ﷺ کی فہرست میں درج کئے ہیں جنکے درمیان مختلف قسم کے چہرے دکھائی پڑتے ہیں بے شک آنحضرت ﷺ کی مصاحبت ایک بہت بڑا افتخار تھا جو صرف چند افراد ہی کو نصیب ہوا اور امت اسلامی نے ہمیشہ ایسے افراد کو ادب و احترام کی نگاہوں سے دیکھا ہے کیونکہ انہی بزرگان نے

سے نقل کرتے ہوئے.

---

(1) اسد الغابۃ جلد1 ص 11، 12

(2)گذشتہ حوالہ

(3) الاستیعاب فی اسماء الاصحاب جلد1 ص2 "الاصابۃ" کے حاشیے میں اسد الغابۃ جلد1 صفحہ 3 میں ابن اثیر

آئین اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے سب سے پہلے اسلام کی عزت اور شوکت کے پرچم کو لہرایا ہے.

قرآن مجید نے بھی ان کی تعریف کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے:

(لایَسْتَوِی مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُوْلٰئِکَ اعْظَمُ دَرَجَةً مِنْ الَّذِینَ اَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا)[1]

اور تم میں سے فتح سے پہلے انفاق کرنے والا اور جہاد کرنے والا اس کے جیسا نہیں ہوسکتا جو فتح کے بعد انفاق اور جہاد کرے پہلے جہاد کرنے والے کا درجہ بہت بلند ہے.

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا اعتراف بھی کرلینا چاہیئے کہ پیغمبر خدا ﷺ کی مصاحبت کوئی ایسا کیمیاوی نسخہ نہیں تھا جو انسانوں کی حقیقت کو بدل دیتا اور عمر کے آخری حصے تک ان کی زندگی کی ضمانت لیتا نیز انہیں ہمیشہ کے لئے عادلوں کی صف میں کھڑا کردیتا.

اس مسئلے کی وضاحت کے لئے بہتر یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے درمیان قابل اعتماد کتاب قرآن مجید کا مطالعہ کریںاور اس سلسلے میں اس سے مدد حاصل کریں.

صحابی قرآن مجید کی نگاہ میں

قرآن کے نکتہ نظر سے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے اور آپ ﷺ کی مصاحبت

---

(1) سورہ حدید آیت: 10

اختیار کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں :

پہلی قسم

وہ ایسے اصحاب ہیں جن کی قرآن مجید کی آیتیں مدح و ستائش کرتی ہیں اور انہیں شوکت اسلام کا بانی قرار دیتی ہیں یہاں پر ہم صحابہ کرام کے ایسے گروہ سے متعلق چند آیتوں کا ذکر کرتے ہیں :

1۔دوسروں پر سبقت لے جانے والے

(وَالسَّابِقُونَ الْاَوَّلُونَ مِنْ الْمُهَاجِرِينَ وَالْاَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِیَ اللہ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِی من تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَاَ بَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ)[1]

اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے اور جن لوگوں نے نیکی میں ان کا اتباع کیا ہے ان سب سے خدا راضی ہوگیا ہے اور یہ سب خدا سے راضی ہیں اورخدا نے ان کے لئے وہ باغات مہیا کئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور یہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اوریہی بہت بڑی کامیابی ہے.

---

(1) سورہ توبہ آیت:100

2۔درخت کے نیچے بیعت کرنے والے

(لَقَدْ رَضِیَ اللہ عَنْ الْمُؤْمِنِینَ اِذْ یُبَایِعُونَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِی قُلُوبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِینَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیبًا) [1]

یقینا خدا صاحبان ایمان سے اس وقت راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کررہے تھے پھر اس نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جوان کے دلوں میں تھا تو ان پر سکون نازل کردیا اور انہیں اس کے عوض قریبی فتح عنایت کردی.

3۔مہاجرین

(لِلْفُقَرَائِ الْمُهَاجِرِینَ الَّذِینَ خْرِجُوا مِنْ دِیارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنْ اللہِ وَرِضْوَانًا وَیَنْصُرُونَ اللہ وَرَسُولَهُ اُولٰئِکَ هُمْ الصَّادِقُونَ)[2]

یہ مال ان مہاجر فقراء کے لئے بھی ہے جنہیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا اور ان کے اموال سے انہیں دور کردیا گیا اور وہ صرف خدا کے فضل اور اس کی مرضی کے طلب گارہیں اور خدا اور رسول کی مدد کرنے والے ہیں یہی لوگ دعوائے ایمان میں سچے ہیں.

---

(1)سورہ فتح آیت:18

(2)سورہ حشر آیت:8

4۔ اصحابِ فتح

(مُحَمَّد رَسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ اَشِدَّائُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَائُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنْ اللهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُودِ)[1]

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لئے سخت ترین اور آپس میں انتہائی رحم دل ہیں تم ان کو دیکھو گے کہ بارگاہ احدیت میں سر خم کئے ہوئے سجدہ ریز ہیں اور اپنے پروردگار سے فضل و کرم اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں کثرت سجود کی وجہ سے ان کے چہروں پر سجدہ کے نشانات پائے جاتے ہیں.

---

(1)سورہ فتح آیت:29

دوسری قسم

بزم رسالت میں کچھ افراد ایسے بھی تھے جنہیں پیغمبر خدا ﷺ کی مصاحبت تو حاصل ہوئی تھی مگر وہ یا تو منافق تھے یا پھر ان کے دل میں مرض تھا قرآن مجید نے پیغمبر اسلام ﷺ کے لئے ایسے افراد کی حقیقت کو نمایاں کیا ہے اور آنحضرت ﷺ کو یہ تاکید کی ہے کہ ان سے محتاط رہیں یہاں پر ہم اس سلسلے میں نازل ہونے والی آیتوں کے چند نمونے پیش کرتے ہیں :

1۔ معروف منافقین

اذَا جَائَکَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُولُ اللهِ وَاللهُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُولُهُ وَاللهُ یَشْهَدُاِنَّ الْمُنَافِقِینَ لَکَاذِبُونَ)[1]

اے پیغمبر! یہ منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں ۔

2۔ غیر معروف منافقین

(وَمِمَّنْ حَوْلَکُمْ مِنْ الْاَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ---- الْمَدِینَةِ مَرَدُوا عَلَی النِّفَاقِ لاَتَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ)[2]

---

(1)سورہ منافقون آیت:1

(2)سورہ توبہ آیت: 101

اور تم لوگوں کے گرد، دیہاتیوں میں بھی منافقین ہیں اور اہل مدینہ میں تو وہ بھی ہیں جو نفاق میں ماہر اور سرکش ہیں تم لوگ ان کو نہیں جانتے ہو لیکن ہم خوب جانتے ہیں .

3۔دل کے کھوٹے

(وَاِذْ یَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِینَ فِی قُلُوبِهِمْ مَرَض مَا وَعَدَنَا اللهُ وَرَسُولُهُ اِلاَّ غُرُورًا)[1]

اور جب منافقین اور جن کے دلوں میں مرض تھا یہ کہہ رہے تھے کہ خدا اور رسول نے ہم سے صرف دھوکا دینے والا وعدہ کیا ہے۔

4۔گناہ گار

(وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَیِّئًا عَسَی اللهُ اَنْ یَتُوبَ عَلَیْهِمْ اِنَّ اللهَ غَفُور رَحِیم)[2]

اور دوسرے وہ لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا کہ انہوں نے نیک اور بد اعمال مخلوط کردیئے ہیں عنقریب خدا

(1)سورہ احزاب آیت :12.

(2)سورہ توبہ آیت : 102.

ان کی توبہ قبول کرلے گا وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے.

قرآن مجید کی آیات کے علاوہ پیغمبر اکرم ﷺ سے بھی بعض صحابہ کی مذمت میں بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں ان میں سے ہم صرف دو روایتوں کو بطور نمونہ پیش کرتے ہیں :

1۔ ابوحازم، سہل بن سعد سے نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا :

"أنا فرطكم علىٰ الحوض مَن ورد شرب و مَن شرب لم يظمأ أبداً و ليردنّ علّ أقوام أعرفهم و يعرفونن ثم يحال بين و بينهم."

میں تم سب کو حوض کی طرف بھیجوں گا جو شخص بھی اس حوض تک پہنچے گا وہ اس میں سے ضرور پئے گا اور جو بھی اس سے پئے گا پھر وہ تاابد پیاس محسوس نہیں کرے گا پھر ایک گروہ میرے پاس آئے گا جسے میں اچھی طرح پہچانتا ہوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانتے ہوں گے اس کے بعد ان لوگوں کو مجھ سے جدا کردیا جائے گا."

ابو حازم کا بیان ہے کہ جس وقت میں نے نعمان ابن ابی عیاش کے سامنے یہ حدیث پڑھی تو انہوں نے مجھ سے کہا: کیا تم نے یہ حدیث سھل سے اسی طرح سنی ہے ؟ میں نے کہا ہاں اس وقت نعمان بن ابی عیاش نے کہا کہ ابو سعید خدری نے بھی اس حدیث کو ان کلمات کے اضافے کے ساتھ پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں :

"اِنھم من فیقال: نک لاتدر ما أحدثوا بعدک فأقول سحقًا سحقًا لمن بدل بعد"(1)

یہ افراد مجھ سے ہیں پس کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کام انجام دیئے ہیں ! پس میں کہوں گا ایسے لوگوں سے خدا کی رحمت دور ہوجائے جنہوں نے میرے بعد (احکام دین میں) تبدیلی کی.

پیغمبر اسلام ﷺ کی اس حدیث میں ان دو جملوں "جنہیں میں اچھی طرح پہچانتا ہوں گا اور وہ سب بھی مجھے پہچانتے ہونگے "اور "میرے بعد تبدیلی کی" سے صاف واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مراد آپکے وہ اصحاب ہیں جو کچھ مدت آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہے ہیں (اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے بھی نقل کیا ہے)

2۔ بخاری اور مسلم ،پیغمبر خدا ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

"یرد علیّ یوم القیامة رھط من أصحاب أو قال من أمت فیحلون عن الحوض فأقول یاربی أصحابی فیقول اِنّه لاعلم لک بما أحدثوا بعدک أنھم ارتدوا علیٰ أدبارھم القھقری."(2)

---

(1)جامع الاصول (ابن اثیر) جلد11 کتاب الحوض فی ورود الناس علیه ص120 حدیث نمبر7972.

(2)جامع الاصول جلد11 ص120 حدیث 7973

قیامت کے دن میرے اصحاب میں سے یا فرمایا میری امت میں سے ایک گروہ میرے پاس آئے گا پس ان کو حوض کوثر سے دور کردیا جائے گا اس وقت میں کہوں گا اے میرے پروردگار! یہ میرے اصحاب ہیں تو خدا فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیسے کیسے کام انجام دیئے ہیں بے شک یہ لوگ اپنی سابقہ حالت (زمانہ جاہلیت) پر لوٹ کر مرتد ہوگئے تھے.

نتیجہ: قرآنی آیات اور سنت پیغمبر ﷺ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اصحاب اور وہ افراد جنہیں آنحضرت ﷺ کی مصاحبت کا شرف حاصل ہوا ہے وہ سب ایک ہی درجہ کے نہیں تھے ان میں بعض ایسے بلند مقام افراد تھے جن کی خدمات نے اسلام کے پھیلانے میں انتہائی مؤثر کردار ادا کیا ہے لیکن بعض ایسے بھی تھے جو ابتداء ہی سے منافق، دل کے مریض اور گمراہ تھے. (1)

اسی بیان کے ساتھ صحابۂ پیغمبر ﷺ کے بارے میں شیعوں کا نظریہ (جو درحقیقت قرآن اور سنت کا نظریہ ہے) واضح ہوجاتا ہے۔

---

(1) اس بارے میں مزید وضاحت کے لئے سورہ منافقون ملاحظہ کریں.

اٹھارہواں سوال

متعہ کیا ہے اور شیعہ اسے کیوں حلال سمجھتے ہیں ؟

جواب:نکاح، مرد اور عورت کے درمیان ایک ارتباط کا نام ہے. بعض اوقات یہ ارتباط دائمی ہوتا ہے اور عقد پڑھتے وقت اس میں زمانے کی کوئی قید ذکر نہیں کی جاتی لیکن بسا اوقات یہی ارتباط ایک معین مدت کے لئے انجام پاتا ہے یہ دونوں ہی عقد شرعی نکاح کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے درمیان صرف "دائمی" اور "موقت" کا فرق ہوتا ہے لیکن یہ دونوں باقی خصوصیات میں مشترک ہیں اب ہم یہاں نکاح "متعہ" کی ان شرائط کا ذکر کریں گے جو نکاح "دائم" کی طرح معتبر ہیں :

1۔مرد اور عورت کے درمیان آپس میں کوئی نسبی و سببی اور کوئی شرعی مانع نہ ہو ورنہ ان کا عقد باطل ہے.

2۔ طرفین کی رضامندی سے معین کئے جانے والے مہر کا تذکرہ عقد میں ہونا چاہئے.

3۔نکاح کی مدت معین ہونی چاہئے.

4۔شرعی طریقے سے عقد پڑھا جانا چاہئے.

5۔ان دونوں سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ شرعی طور پر ان دونوں کی شمار ہوگی اور جس طرح نکاح دائم سے پیدا ہونے والی اولاد کا نام شناختی کارڈ وغیرہ میں درج ہوتا ہے اسی طرح عقد متعہ سے پیدا ہونے والی اولاد کا نام بھی شناختی کارڈمیں شامل کیا جاتا ہے.

6۔اس اولاد کا نان ونفقہ والد کے ذمے ہے اور یہ اولاد ماں اور باپ دونوں سے میراث پائے گی.

7۔جس وقت عقد متعہ کی مدت ختم ہوجائے تو اگر عورت یائسہ نہ ہو تو وہ شرعی طور پر عدہ گزارے گی اور اگراثنائے عدت میں یہ معلوم ہوجائے کہ وہ حاملہ ہے تو وضع حمل سے پہلے کسی بھی قسم کا عقد نہیں کر سکتی. اسی طرح نکاح دائم کے باقی احکام بھی متعہ میں جاری ہوں گے ان دونوں میں فرق صرف یہ ہے کہ چونکہ عقد متعہ چند ضرورتوں کوپورا کرنے کے لئے حلال کیا گیا ہے لہذا اس عورت کا نان ونفقہ مرد کے ذمے نہیں ہے اور اگر عقد متعہ پڑھتے وقت عورت کی طرف سے میراث لینے کی شرط نہ لگائی جائی تو یہ عورت شوہر کی میراث نہیں پائے گی واضح ہے کہ ان دو فرقوں سے نکاح کی حقیقت میں کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ہم سب اس بات کے معتقد ہیں کہ اسلام ایک دائمی شریعت اور آخری شریعت ہے لہذا اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ انسانوں کی تمام ضرورتوں کوپورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اب یہاں پر اس بات کی طرف توجہ ضروری ہے کہ ایک ایسا جوان شخص جو کہ تعلیم حاصل کرنے کیلئے کسی دوسرے شہر یا ملک میں زندگی بسر کررہا ہو اور محدود وسائل کی وجہ سے دائمی عقد نہ کرسکتا ہو اسکے سامنے صرف تین راستے ہیں اور ان میں سے وہ کسی ایک کا انتخاب کرے گا۔

الف: کنوارہ ہی رہے.

ب: گناہ اور آلودگی کی دلدل میں دھنس جائے.

ج: گذشتہ شرائط کے ساتھ ایک ایسی عورت کے ساتھ ایک محدود اور معین مدت کے لئے شادی کر لے جس سے شرعا عقد جائز ہو. پہلی صورت کے بارے میں یہ کہنا چاہئے اس میں اکثر افراد شکست کھاجاتے ہیں اگرچہ بعض ایسے انگشت شمار اشخاص ضرور مل جائیں گے جو اپنی خواہشات کو دبا کر صبر کا دامن تھام لیتے ہیں لیکن اس روش پر عمل پیرا ہونا سب کے بس کی بات نہیں ہے

.

دوسرے راستے کو اختیار کرنے والوں کا انجام تباہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا اور اسلام کی نگاہ میں بھی یہ ایک حرام عمل ہے.اس فعل کو فطری تقاضے کا نام دے کر صحیح قرار دینا ایک غلط فکر ہے.

اب صرف تیسرا راستہ بچتا ہے جسے اسلام نے پیش کیا ہے اوریہی مناسب اور صحیح بھی ہے پیغمبر خدا ﷺ کے زمانے میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا ہے اس مسئلے میں اختلاف آنحضرت ﷺ کے بعدپیدا ہوا ہے.

یہاں پر اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ وہ لوگ جو عقد متعہ سے خوف وہراس رکھتے ہیں انہیں اس بات کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے کہ تمام اسلامی مجتہدین اور محققین نے اس متعہ کو معنوی اعتبار سے نکاح دائم میں بھی اس طرح میں قبول کیا ہے کہ جب مرد اور عورت آپس میں عقد دائم تو کریں لیکن ان کی نیت یہ ہو کہ ایک سال کے بعدیا اس سے کمتریا بیشترمدت میں ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں گے تو وہ طلاق کے ذریعہ جدا ہو سکتے ہیں .

واضح ہے کہ اس قسم کی شادی ظاہری اعتبار سے تو دائمی ہے لیکن حقیقت میں معین وقت کے لئے ہے اور اس قسم کے دائمی نکاح اور عقد متعہ کے درمیان صرف یہ فرق ہے کہ عقد متعہ ظاہری اور باطنی ہردو اعتبار سے معین وقت کے لئے ہوتا ہے جبکہ اس قسم کا دائمی نکاح ظاہری طورپر تو ہمیشہ کے لئے ہے لیکن باطنی طورپر ایک محدود وقت کے لئے انجام پایا ہے.

وہ لوگ جو اس قسم کے دائمی نکاح کو جائز سمجھتے ہیں جیسا کہ اس کو تمام مسلمان فقہاء جائز قرار دیتے ہیں تووہ عقد متعہ کو حلال سمجھنے میں کیوں خوف وہراس محسوس کرتے ہیں یہاں تک ہم نے عقد متعہ کی حقیقت سے آشنائی حاصل کی اب ہم دلیلوں کی روشنی میں اس کے جواز کو ثابت کریں گے اس سلسلے میں ہم دو مرحلوں میں بحث کریں گے:

1۔صدر اسلام میں عقد متعہ کا شرعا جائز ہونا.

2۔رسول خدا ﷺ کے زمانے میں اس حکم شرعی کا منسوخ نہ ہونا.

عقد متعہ کا جواز اس آیۂ شریفہ سے ثابت ہوتا ہے :

(فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً)[1]

پس جب بھی تم ان عورتوں سے متعہ کرو تو انکی اجرت انہیں بطور فریضہ دے دو.

اس آیہ شریفہ کے الفاظ اچھی طرح اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ آیۂ کریمہ نکاح موقت کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ :

اول: اس آیت میں استمتاع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے ظاہری معنی نکاح موقت ہیں. اور اگر اس سے مراد دائمی نکاح ہوتا تو اس کیلئے قرینہ لایا جاتا.

دوم: اس آیت میں کلمہ "اجورھن" (ان کی اجرت) ہے اور یہ اس بات کا گواہ ہے کہ اس آیت سے مراد عقد متعہ ہے کیونکہ نکاح دائم میں لفظ "مہر" اور لفظ "صداق" استعمال کئے جاتے ہیں .

سوم: شیعہ اور سنی مفسرین اس بات کے معتقد ہیں کہ یہ آیۂ شریفہ عقد متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر درالمنثور میں ابن جریر اور سدی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت عقد متعہ کے بارے میں ہے [2]

اسی طرح ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی تفسیر میں سدی اور مجاہد اور ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت نکاح موقت کے بارے میں ہے[3]

---

(1)سورہ نساء آیت:24.

(2)تفسیر درالمنثور جلد2 ص140 سورہ نساء کی 24ویں آیت کے ذیل میں.

(3)جامع البیان فی تفسیر القرآن جزء 5 ص9.

چہارم:صاحبان صحاح و مسانیداور احادیث کی کتابوں کے مولفین نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے بعنوان مثال مسلم بن حجاج نے اپنی کتاب صحیح میں جابر بن عبداللہ اور سلمہ بن اکوع سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

خرج علينا مناد رسول الله ﷺ فقال:ا ن رسول الله قد أذن لكم أن تستمتعوا يعني متعة النسائ.[1]

پیغمبر اکرم ﷺ کے منادی نے ہمارے پاس آکر کہا کہ رسول خدا ﷺ نے تم لوگوں کو استمتاع کی اجازت دی ہے یعنی عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی ہے.عقد متعہ سے متعلق صحاح اور مسانید میں جو روایات آئی ہیں ان سب کو اس کتاب میں بیان نہیں کیا جاسکتا البتہ ان سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ عالم اسلام کے تمام علماء اور مفسرین نے آغاز اسلام میں اور پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے میں عقد متعہ کے جائز ہونے کو تسلیم کیا ہے:[2]

---

(1) صحیح مسلم جز4 ص130 طبع مصر

(2)نمونے کے طور پر ہم ان منابع میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں :

صحیح بخاری باب تمتع2مسند احمد جلد4 ص436 اور جلد 3 ص 356

الموطا مالک جلد2 ص 30سنن بیہقی جلد7 ص 306

تفسیر طبری جلد 5 ص 9

نہایہ ابن اثیر جلد3 ص 249

تفسیر رازی جلد3 ص 201

تاریخ ابن خلکان جلد1 ص 359

احکام القرآن جصاص جلد 2 ص 178

محاضرات راغب جلد2 ص 94

الجامع الکبیر سیوطی جلد8 ص 293

فتح الباری ابن حجر جلد9 ص 141

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس آیت کا حکم منسوخ ہوا ہے یا نہیں ؟شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو پیغمبر خدا ﷺ کے زمانے میں متعہ کے شرعا جائز ہونے کے بارے میں تردید کرے بحث اس بارے میں ہے کہ یہ حکم آنحضرت ﷺ کے زمانے میں باقی تھا یا منسوخ ہوگیا تھا؟تاریخ اسلام اور روایات کے مطابق خلیفہ دوم کے زمانے تک مسلمان اس حکم الہی پر عمل کرتے تھے اور سب سے پہلے خلیفہ دوم نے چند مصلحتوں کی بنا پر اس حکم پر عمل کرنے سے مسلمانوں کو روکا تھا. مسلم بن حجاج اپنی کتاب صحیح میں نقل کرتے ہیں کہ جب ابن عباس اور ابن زبیر کے درمیان متعۃ النساء اور متعہ حج کے سلسلے میں اختلاف ہوگیا تو جابر ابن عبداللہ نے کہا :

"فعلنا هما مع رسول الله ﷺ ثم نهانا عنهما عمر فلم نعدلهما"[1]

---

(1)سنن بیہقی جلد7 ص206 اور صحیح مسلم جلد1 ص395

ہم رسول خدا ﷺ کے ہمراہ متعۃ النساء اور متعہ حج کو انجام دیتے تھے اور پھر عمر نے ہمیں ان دونوں کاموں سے روک دیا اس کے بعد سے ہم نے ان دونوں کو انجام نہیں دیا ہے.

جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر میں عبدالرزاق اور ابو داؤد اور ابن جریر سے اور ان سب نے "حکم" سے روایت کی ہے کہ جب حکم سے آیۂ متعہ کے بارے میں سوال کیاگیا کہ کیا یہ آیت منسوخ ہوئی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا نہیں منسوخ نہیں ہوئی ہے اور حضرت علی نے فرمایا ہے:

"لولا أن عمر نهىٰ عن المتعة مازنىٰ لاّ شق"[1]

اگر عمر نے متعہ سے منع نہ کیا ہوتا تو سوائے بدبخت کے کوئی زنا نہ کرتا.

نیز علی بن محمد قوشچی کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب نے منبر پر بیٹھ کر کہا :

"أيّها الناس ثلاث كنّ على عهد رسول الله وأنا أنهىٰ عنهنّ و أحرمهن و أُعاقب عليهنّ وهمتعة النساء و متعة الحج و حَّ علىٰ خير العمل"[2]

اے لوگو! تین چیزیں رسول خدا ﷺ کے زمانہ میں تھیں لیکن میں ان سے منع کرتا ہوں اور انہیں حرام قرار دیتا ہوں اور جو کوئی بھی

---

(1) تفسیر در المنثور جلد2 ص140 سورہ نساء کی چوبیسویں آیت کی تفسیر کے ذیل میں .

(2) شرح تجرید قوشچی بحث امامت ص484.

انہیں انجام دے گا، میں اسے سزا دوں گا وہ تین چیزیں یہ ہیں : متعة النساء اور متعة الحج اور حی علی خیر العمل.

عقد متعۃ کے جائز ہونے کے بارے میں اس قدر روایات ہیں کہ ان کو ذکر کرنا اس کتاب کی گنجائش سے باہر ہے.زیادہ معلومات کے لئۓ درج ذیل کتابوں کا مطالعہ فرمائیں[1]

اب یہ مان لینا چاہیے کہ متعہ نکاح ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ نکاح کی دو قسمیں ہیں :دائمی اور موقت اور وہ عورت جس کے ساتھ نکاح موقت کیا جائے وہ اس مرد کی

---

(1)مسند احمد جلد3 ص356

البیان والتبیین جاحظ جلد2 صفحہ 223

احکام القرآن جصاص جلد1 ص 342

تفسیر قرطبی جلد2 ص 370

المبسوط سرخسی حنفی کتاب الحج باب القرآن

زادالمعاد ابن قیم جلد1 ص444

کنزالعمال جلد8 ص293

مسند ابی داؤد طیالسی ص247

تاریخ طبری جلد5 ص32

المستبین طبری

تفسیر رازی جلد3ص200 سے 202 تک

تفسیر ابوحیان جلد3 ص 218

زوجہ شمار ہوتی ہے اور وہ مرد بھی اس عورت کا شوہر کہلاتا ہے اس اعتبار سے فطری طورپر اس قسم کی شادی بھی نکاح سے متعلق آیتوں کے ذیل میں آئے گی مثال کے طورپر قرآن مجید کی یہ آیت ملاحظہ ہو :

(وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ اِلاَّ عَلَى اَزْوَاجِهِمْ وْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُم)[1]

اور مومنین اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنیوالے ہیں علاوہ اپنی بیویوں اور اپنی ملکیت کی کنیزوں کے.

اب تمام گزشتہ شرائط کے ساتھ جس عورت سے متعہ کیا جائے وہ "اِلاَّ عَلَى اَزْوَاجِهِم "(سوائے اپنی بیویوں کے)کا ایک مصداق قرار پائے گی یعنی یہ عورت

اس مرد کی زوجہ کہلائے گی اور لفظ "اَزْوَاجِهِم "اس کو بھی اپنے اندر شامل کرے گا.سورہ مومنون کی یہ آیت جنسی عمل کو فقط دو قسم کی عورتوں یعنی بیویوں اور کنیزوں کے ساتھ جائز قرار دیتی ہے اور وہ عورت جس سے متعہ کیا گیا ہو وہ پہلی قسم کی عورتوں (یعنی اپنی بیویوں) میں شامل ہے.

یہاں پر بعض لوگوں کا یہ کلام تعجب خیز ہے کہ سورہ مومنون کی یہ آیت سورہ نساء کی چوبیسویں آیت کیلئے ناسخ ہے جب کہ ہم سب جانتے ہیں کہ ناسخ آیت کو منسوخ ہونے والی آیت کے بعد نازل ہونا چاہیے اوریہاں معاملہ بالکل برعکس ہے سورہ مومنون جسکی

---

(1)سورہ مومنون آیت :5اور 6

آیت کو ناسخ تصور کیا جارہاہے وہ مکی ہے (یعنی یہ سورہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے قبل مکہ معظمہ میں نازل ہوا ہے) اور سورہ نساء جس میں آیۂ متعہ ہے مدنی ہے (یعنی یہ سورہ مدینۂ منورہ میں آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد نازل ہوا ہے) اب سوال یہ ہے کہ مکی سورہ میں آنے والی آیت مدنی سورہ میں آنے والی آیت کیلئے کیسے ناسخ بن سکتی ہے؟

اسی طرح رسول خدا ﷺ کے زمانے میں آیہ متعہ کے منسوخ نہ ہونے کی ایک اور واضح دلیل وہ کثیر روایات ہیں جن کے مطابق یہ آیت آنحضرت ﷺ کے زمانے میں منسوخ نہیں ہوئی تھی ایسی روایتوں میں سے ایک روایت تو وہی ہے جسے جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر درالمنثور میں ذکر کیا ہے اور جس کی وضاحت گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے[1]

آخر میں ہم اس نکتے کا ذکر کردیں کہ وہ ائمہ معصومین ٪ جو حدیث ثقلین کے مطابق امت کے ہادی اور قرآن کے ہم پلہ ہیں انہوں نے عقد متعہ کے شرعاجائز ہونے اور اس کے منسوخ نہ کئے جانے کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے.[2]

ساتھ ہی ساتھ اسلام چونکہ ہرزمانے میں انسانوں کی مشکلات کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے لہذا اس نے بھی چند ذکر شدہ شرائط کی رعایت کے ساتھ اس قسم کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ آج کی اس گمراہ کن دنیا میں جوانوں کو تباہی کے دلدل سے نجات دینے کے لئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے متعہ۔

---

(1) تفسیر درالمنثور جلد2 ص 140 اور ص 141 سورہ نساء کی چوبیسویں آیت کی تفسیر کے ذیل میں.

(2)وسائل الشیعہ جلد14 کتاب النکاح ابواب متعہ باب اول ص 436.

انیسواں سوال

شیعہ خاک پر کیوں سجدہ کرتے ہیں ؟

جواب:بعض لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ خاک یا شہیدوں کی تربت پر سجدہ کرنا ان کی عبادت کرنے کے برابر ہے اوریہ ایک قسم کا شرک ہے . اس سوال کے جواب میں اس بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ ان دو جملوں "السجودللہ"و "السجود علیٰ الأرض" میں بڑا فرق ہے اور اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوال کرنے والا ان دو جملوں کے درمیان موجود فرق کو نہیں سمجھ پایا ہے.

السجودللہ کے معنی یہ ہیں کہ سجدہ خدا کے لئے ہوتا ہے اور السجود علیٰ الأرضیعنی سجدہ زمین پر ہوتا ہے.بہ الفاظ دیگر ہم زمین پر خدائے عظیم کا سجدہ بجا لاتے ہیں اصولی طور پر دنیا کے سارے مسلمان کسی نہ کسی چیز کے اوپر سجدہ کرتے ہیں جبکہ وہ خدا کا سجدہ کرتے ہیں مسجد الحرام میں بھی لوگ پتھروں پر سجدہ کرتے ہیں جبکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا کا سجدہ کررہے ہیں .

اس بیان کے ساتھ یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ خاک یا پتوں یا کسی اور چیز پر سجدہ کرنا ان چیزوں کی عبادت نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ خدائے عظیم کے سامنے خود کو خاک سمجھتے ہوئے اس کے لئے سجدہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور اسی طرح یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ خاک شفا پر سجدہ کرنا خاک شفا کو سجدہ کرنا نہیں ہے.قرآن مجید فرماتا ہے:

(وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْض)[1]

اللہ ہی کو زمین و آسمان میں رہنے والے سب سجدہ کرتے ہیں.

نیز پیغمبر ﷺ اسلام فرماتے ہیں :

"جُعِلَتْ لی الأرض مسجدًا وطهورًا"[2]

زمین میرے لئے جائے سجدہ اور پاک کرنے والی قرار دی گئی ہے.

لہذا "خدا کے لئے سجدہ" اور "زمین یا خاک شفا پر سجدہ" کے درمیان آپس میں پوری طرح سازگاری ہے کیونکہ خاک اور پتوں پر سجدہ کرنا خدائے عظیم کے سامنے انتہائی درجہ کے خضوع کی علامت ہے. اس بارے میں شیعوں کے نظریئے کی وضاحت کے لئے بہتر یہ ہے کہ ہم امام صادق کے اس گہربار ارشاد کو پیش کریں:

"عن هشام ابن الحكم قال قلت لأبي عبدالله ـ اخبرني عما يجوز السجود عليه و عما لايجوز

---

(1)سورہ رعد آیت: 15

(2) صحیح بخاری کتاب الصلوۃ ص91

عليه؟ قال : السجود لايجوز لاّعلی الأرض أو ما أنبتت لاّرض الا ماأکل أو لبس فقلت له:جعلت فداک ماالعلّة ف ذلک؟ قال: لأن السجود هو الخضوع لله عزّوجلّ فلا ينبغ أن يکون علیٰ ما يؤکل و يلبس لأن أبناء الدنيا عبيد ما يأکلون و يلبسون والساجد ف سجوده ف عبادة الله عزّوجلّ فلا ينبغ أن يضع جبهته ف سجوده علیٰ معبود أبناء الدنيا الذين اغتروا بغرورها والسجود علیٰ الأرض أفضل لأنه أبلغ ف التواضع والخضوع لله عزّوجلّ"[1]

ہشام بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ رہنمائی فرمائیں کہ کن چیزوں پر سجدہ کرنا صحیح ہے اور کن چیزوں پر صحیح نہیں ہے؟ امام نے فرمایا سجدہ صرف زمین اور اس سے اگنے والی اشیاء پر ہوسکتا ہے لیکن کھانے اور پہننے والی اشیاء پر سجدہ نہیں کیا جاسکتا میں نے عرض کی: میں آپ پر قربان ہوجاؤں اس کا کیا سبب ہے؟ امام نے فرمایا: سجدہ خداوند عزوجل کے لئے خضوع کا نام ہے پس یہ صحیح نہیں ہے کہ

---

(1).بحارالانوار جلد 85 ص147 "علل الشرائع" سے نقل کرتے ہوئے.

کھانے اور پہننے والی چیزوں پر سجدہ کیا جائے کیونکہ دنیا پرست افراد خوراک اور لباس کے بندے ہیں جبکہ انسان سجدے کی حالت میں اللہ عزوجل کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے.پس یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنی پیشانی اس چیز پر رکھے جس کو دنیا پرست اپنا معبود سمجھتے ہیں اور وہ دنیا کے دھوکہ میں آگئے ہیں اور زمین پر سجدہ کرنا افضل ہے کیونکہ اس سے خدا کی بارگاہ میں زیادہ خضوع کا اظہار ہوتا ہے.

امام کا یہ کلام اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ خاک پر سجدہ اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ یہ کام خدا کی بارگاہ میں تواضع کو ظاہر کرنے کا سب سے اچھا طریقہ ہے.

یہاں پرایک اور سوال بھی سامنے آتا ہے کہ شیعہ صرف خاک اور بعض پتوں ہی پر کیوں سجدہ کرتے ہیں اور باقی چیزوں پر سجدہ کیوں نہیں کرتے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جس طرح یہ ضروری ہے کہ ہر عبادت کا حکم شریعت کی طرف سے ہم تک پہنچے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے تمام شرائط ، اجزاء ، اور اس کا طریقہ بھی شریعت کو.بیان کرنے والی شخصیت یعنی پیغمبراکرم ﷺ کے اقوال اور کردار کے ذریعے ہم تک پہنچے کیونکہ قرآن کے حکم کے مطابق تمام مسلمانوں کے لئے اسوہ اور نمونہ عمل فقط پیغمبر گرامی ﷺ کی ذات ہے.

اب ہم چند ایسی احادیث ذکر کرتے ہیں جو اس بارے میں پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کو بیان کرتی ہیں یہ حدیثیں اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ خاک پر اور زمین سے اگنے والی بعض چیزوں جیسے چٹائی وغیرہ پر سجدہ فرماتے تھے اور آج شیعہ بھی اسی چیز کا عقیدہ رکھتے ہیں بہت سے مسلمان محدثین نے اپنی صحاح ومسانید میں آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے زمین کو اپنے لئے سجدہ کے عنوان سے پہچنوایا تھا آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں :

"جعلت لی الأرض مسجدًا و طهورًا"[1]

زمین میرے لئے جائے سجدہ اور پاک کرنے والی قرار دی گئی ہے.

1)اس حدیث میں لفظ "جعلت "قانون گزاری کے معنی میں ہے اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ مسئلہ دین اسلام کی پیروی کرنے والوں کے لئے ایک حکم الہی ہے اس حدیث سے خاک، پتھر اور ہر اس چیز پر سجدے کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جس کو زمین کہا جاسکے.

2)بعض دوسری روایات اس نکتے پردلالت کرتی ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ سجدہ کرتے وقت اپنی پیشانیوں کو خاک پر رکھا کریں جیسا کہ

---

(1)سنن بیہقی جلد1 ص 212(باب التیمم بالصعید الطیب) صحیح بخاری جلد1 کتاب الصلوۃ ص91 اقتضائ الصراط المستقیم (ابن تیمیہ) ص 332.

زوجہ پیغمبر ﷺ ام سلمہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"ترِّب وجهک لله"[1]

اللہ کے لئے اپنے چہرے کو خاک پر رکھو.

اس حدیث میں "ترب" کے لفظ سے دو نکتے سمجھ میں آتے ہیں ایک یہ ہے کہ انسان کو سجدہ کرتے وقت اپنی پیشانی کو خاک پر رکھنا چاہیے دوسرا نکتہ یہ ہے کہ "ترب" صیغہ امر ہے لہذا خاک پر سجدہ کرنا واجب ہے.

3)خود آنحضرت ﷺ کا عمل بھی خاک پر سجدے کے صحیح ہونے کا بہترین گواہ ہے وائل بن حجر کہتے ہیں :

"رأيت النبی ﷺ اِذا سجد وضع جبهته و أنفه علىٰ الأرض"[2]

میں نے پیغمبر ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب آپ سجدہ کرتے تھے تو اپنی پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھتے تھے.

انس بن مالک اور ابن عباس اور آپ ﷺ کی ازواج جیسے عائشہ اور ام سلمہ اور بہت سے محدثین نے اس طرح روایت کی ہے:

"کان رسول الله ﷺ يصل علىٰ الخمرة"[3]

---

(1)کنز العمال جلد7 ص 465 حدیث نمبر 19809 کتاب الصلوۃ السجود و ما یتعلق بہ.

(2) احکام القرآن (جصاص حنفی جلد3 ص209 باب السجود علی الوجہ)

(3)سنن بیہقی جلد2 ص421 کتاب الصلوۃ علی الخمرہ.

رسول خدا ﷺ چٹائی پر نماز پڑھتے تھے (ایسی چٹائی جو کہ کھجور کی پتیوں سے تیار کی جاتی تھی)

پیغمبر اکرم ﷺ کے صحابی ابو سعید کہتے ہیں کہ:

"دخلت علیٰ رسول اللہ ﷺ وهو یصل علیٰ حصیر"[1]

میں رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ چٹائی پر نماز پڑھ رہے تھے.

یہ بات شیعوں کے نظریئے کے صحیح ہونے کی گواہی دیتی ہے کیونکہ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ زمین سے اگنے والی ان اشیاء پر سجدہ صحیح ہے جو نہ تو کھائی جاتی ہوں اور نہ ہی پہنی جاتی ہوں.

4)پیغمبر اسلام ﷺ کے اصحاب اور تابعین کی سیرت اور ان کے اقوال بھی اس بارے میں آنحضرت کی سنت کو بیان کرتے ہیں :جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں :

"کنت أصل الظهر مع رسول اللہ ﷺ فأخذ قبضة من الحصاء لتبرد ف کف أضعها لجبهت أسجد علیها لشدة الحرّ"[2]

---

(1)گذشتہ حوالہ.

(2) سنن بیہقی جلد1 ص439کتاب الصلوۃ باب ماروی فی التعجیل بها فی شدۃ الحر.

جب میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ظہر پڑھتا تھا تو اپنی مٹھی میں سنگ ریزے اٹھا لیتا تھا تاکہ وہ میرے ہاتھ میں ٹھنڈے ہو جائیں اور انہیں سجدہ کے وقت اپنی پیشانی کے نیچے رکھ سکوں کیونکہ گرمی بہت شدید تھی.

اور پھر خود راوی نے اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ اگر اپنے کپڑوں پر سجدہ کرنا جائز ہوتا تو یہ سنگریزوں کے اٹھانے اور انہیں سنبھالنے سے آسان تھا.

ابن سعد (وفات 209ھ) اپنی کتاب "الطبقات الکبری" میں یوں لکھتے ہیں:

"كان مسروق اِذا خرج يخرج بلبنةٍ يسجد عليها فى السفينة"[1]

مسروق ابن اجدع جس وقت سفر کے لئے نکلتے تھے تو اپنے ساتھ ایک کچی اینٹ رکھ لیتے تھے تاکہ کشتی میں اس پر سجدہ کر سکیں.

مسروق بن اجدع پیغمبر ﷺ کے تابعین اور ابن مسعود کے اصحاب میں سے تھے،

کتاب "الطبقات الکبری" کے مؤلف ان کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"وہ پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد اہل کوفہ میں سے طبقہ اول کے لوگوں میں سے تھے اور انہوں نے ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور عبداللہ بن مسعود سے روایتیں نقل کی ہیں."

اس کلام سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مٹی کی سجدہ گاہ کا ہمراہ رکھنا ہرگز شرک یا

---

(1) "الطبقات الکبری" جلد 6 ص79 طبع بیروت مسروق بن اجدع کے حالات کو بیان کرتے ہوئے.

بدعت نہیں ہے کیونکہ صحابۂ کرام بھی ایسا کرتے تھے.[1]

نافع کہتے ہیں :

" ان ابن عمرکان اذا سجد و علیه العمامة یرفعها حتیٰ یضع جبهته بالأرض"[2]

عبد اللہ بن عمر سجدہ کرتے وقت اپنے عمامے کو اوپر کرلیا کرتے تھے تاکہ اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ سکیں.

رزین کہتے ہیں :

"کتب اِلّی علّی بن عبدالله بن عباس أن أبعث الّی بلوح من أحجار المروة أسجد علیها"[3]

علی بن عبداللہ بن عباس نے مجھے لکھا کہ مروہ پہاڑ کے ایک پتھر کی تختی میرے پاس بھیج دو تاکہ میں اس پر سجدہ کرسکوں.

5)دوسری طرف سے مسلمان محدثین نے کچھ روایتیں نقل کی ہیں جن کے مطابق پیغمبر اسلام ﷺ نے ایسے افراد کو ٹوکا ہے جو سجدہ کرتے وقت اپنی پیشانی اور زمین کے درمیان عمامے کے کپڑے کو حائل کرلیا کرتے تھے.

---

(1)اس سلسلے میں مزید شواہد کے لئے علامہ امینی کی کتاب "سیرتنا" کی طرف مراجعہ فرمائیں.

(2)سنن بیہقی جلد2 ص105(مطبوعہ حیدرآباد دکن) کتاب الصلوۃ باب الکشف عن السجدۃ فی السجود

(3)ازرقی ، اخبار مکہ جلد 3 ص151

صالح سبائی کہتے ہیں :

"اِنّ رسول اللّٰہ ﷺ رأی رجلاً یسجد علیٰ جنبه و قد اعتم علیٰ جبهته فحسر رسول اللّٰہ ﷺ علیٰ جبهته"[1]

رسول خدا ﷺ نے اپنے پاس ایک ایسے شخص کو سجدہ کرتے دیکھا جس نے اپنی پیشانی پر عمامہ باندھ رکھا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے عمامے کو ہٹا دیا .

عیاض بن عبداللہ قرشی کہتے ہیں :

"رأی رسول اللّٰہ ﷺ رجلاً یسجد علیٰ کور عمامته فأوما ٔ بیده ارفع عمامتک وأومأ الیٰ جبهته"[2]

رسول خدا ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے عمامے کے ایک گوشے پر سجدہ کررہا تھا تو آپ نے اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر پیشانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اپنے عمامے کو اوپر اٹھاؤ.

ان روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول خدا ﷺ کے زمانے میں زمین پر

---

(1)سنن بیہقی جلد2 ص 105

(2)گذشتہ حوالہ.

سجدہ کرنا ایک لازمی امر تھا اور جب بھی کوئی شخص عمامے پر سجدہ کرتا تو آنحضرت ﷺ اسے اس کام سے روکتے تھے.

6)شیعوں کے ائمہ اطہار ؑ جوکہ حدیث ثقلین کے مطابق، قرآن مجید سے کبھی جدا نہ ہونگے اور دوسری طرف وہ پیغمبر اکرم ﷺ کے اہل بیت ہیں انہوں نے زمین پر سجدہ کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے امام صادق فرماتے ہیں :

"السجود علیٰ الأرض فریضة و علیٰ الخمرة سنة"[1]

زمین پر سجدہ کرنا حکم الہی ہے اورچٹائی پر سجدہ سنت پیغمبر ﷺ ہے.

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں :

"السجود لایجوز اِلاعلیٰ الأرض أو علیٰ ما أنبتت الأرض اِلا ما أکل أو لبس"[2]

سجدہ کرنا صحیح نہیں ہے سوائے زمین یا اس سے اگنے والی اشیاء پر لیکن کھائی اورپہننے والی اشیاء پر سجدہ نہیں ہوسکتا.

نتیجہ:گزشتہ دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نہ صرف اہل بیت ؑ کی روایات بلکہ رسول خدا ﷺ کی سنت اور آنحضرت ﷺ کے اصحاب اورتابعین کی سیرت اس

---

(1)وسائل الشیعہ جلد3 ص593 کتاب الصلوۃ ابواب ما یسجد علیہ، حدیث نمبر7.

(2)وسائل الشیعہ جلد3 ص591 کتاب الصلوۃ ابواب ما یسجد علیہ، حدیث نمبر1.

بات کی گواہ ہیں کہ سجدہ صرف زمین یا اس سے اگنے والی اشیاء (سوائے کھانے اور پہنے جانے والی اشیاء کے) پر ہی کیا جاسکتا ہے اس کے علاوہ بقیہ دوسری چیزوں پر سجدے کے جائز ہونے کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے لہذا اس احتیاط پر عمل کرتے ہوئے نجات اور کامیابی کی راہ صرف یہ ہے کہ ان چیزوں پر سجدہ کیا جائے

جن پر سب کا اتفاق ہے آخر میں ہم اس نکتے کی یاد آوری ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ بحث صرف ایک فقہی مسئلہ ہے اور اس قسم کے جزئی مسائل کے بارے میں مسلمان فقہاء کے درمیان بہت اختلافات ہیں لیکن اس قسم کے اختلافات کو کسی قسم کی پریشانی کا باعث نہیں بننا چاہیے کیونکہ اس قسم کے فقہی اختلافات اہل سنت کے چار فرقوں کے درمیان فراوان ہیں مثال کے طور پر مالکی کہتے ہیں کہ ناک کو سجدہ گاہ پر رکھنا مستحب ہے جب کہ حنبلی کہتے ہیں کہ یہ عمل واجب ہے اور اسے چھوڑنے کی صورت میں سجدہ باطل ہوجائے گا۔[1]

---

(1) الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد1 ص 161 طبع مصر کتاب الصلوۃ، بحث سجود.

بیسواں سوال

شیعہ حضرات زیارت کرتے وقت حرم کے دروازوں اور دیواروں کو کیوں چومتے ہیں اور انہیں باعث برکت کیوں سمجھتے ہیں ؟

جواب:اولیائے الہی سے منسوب اشیاء کو اپنے لئے باعث برکت سمجھنا کوئی ایسا جدید مسئلہ نہیں ہے جو مسلمانوں کے درمیان آج پیدا ہوا ہو بلکہ اس کی بنیادیں رسول خدا ﷺ اور ان کے صحابہ کے زمانے میں دکھائی دیتی ہیں . اس عمل کو نبی اکرم ﷺ اور ان کے اصحاب ہی نے انجام نہیں دیا ہے بلکہ گزشتہ انبیاء بھی ایسا ہی کرتے تھے اب ہم آپ کے سامنے اس عمل کے جائز ہونے کے سلسلے میں قرآن مجید اور سنت پیغمبر ﷺ سے چند دلیلیں پیش کرتے ہیں :

1۔ قرآن مجید میں ہم پڑھتے ہیں کہ جس وقت حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کے سامنے خود کو پہچنوایا اور ان کے گناہوں کو معاف کردیا تو یہ فرمایا:

(اِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَاَلْقُوهُ عَلىٰ وَجْهِاَ بِي يَاْتِ بَصِيرًا)[1]

میری یہ قمیص لے کر جاؤ اور میرے بابا کے چہرے پر ڈال دو کہ انکی بصارت پلٹ آئے گی.

اور پھر قرآن فرماتا ہے:

(فَلَمَّاَ نْ جَاءَ الْبَشِيرُ لْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا)[2]

اور اس کے بعد جب بشارت دینے والے نے آکر قمیص کو یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا تو وہ دوبارہ صاحب بصارت ہوگئے.

قرآن مجید کی یہ آیتیں گواہی دے رہی ہیں کہ ایک نبی (جناب یعقوب) نے دوسرے نبی (جناب یوسف) کی قمیص کو باعث برکت سمجھا تھا اوریہی نہیں بلکہ حضرت یعقوب کا یہ عمل ان کی بصارت کے لوٹنے کا سبب بنا تھا. کیا یہاں پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان دو انبیاء کے اس عمل نے انہیں توحید اور عبادت خدا کے دائرے سے خارج کردیا تھا!؟

2۔ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسول خدا ﷺ خانہ کعبہ کا طواف کرتے وقت انہوں نے جواب دیا:

---

(1)سورہ یوسف آیت:93

(2)سورہ یوسف آیت:96

"رایت رسول اللہ ﷺ یستلمہ و یقبلہ"[1]

میں نے رسول خدا ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ حجر اسود کو سلام کررہے تھے اور بوسے دے رہے تھے.

اگر ایک پتھر کو سلام کرنا اور بوسے دینا شرک ہوتا تو نبی اکرم ﷺ ہرگز اس عمل کو انجام نہ دیتے.

3۔ صحیح، مسنداور تاریخی کتابوںمیں بہت سی ایسی روایات ہیں جن کے مطابق صحابہٴ کرام آنحضرت ﷺ سے منسوب اشیاء جیسے آپ ﷺ کا لباس، آپ کے وضو کا پانی اور برتن وغیرہ کو باعث برکت سمجھتے تھے اگر ان روایات کا مطالعہ کیا جائے تو اس عمل کے جائزہونے میں کسی بھی قسم کی تردید باقی نہیں رہے گی.

اگرچہ اس بارے میں وارد ہونے والی روایات کی تعداد زیادہ ہے اور سب کو اس مختصر کتاب میں پیش کرنا ممکن نہیں ہے لیکن پھر بھی یہاں ہم ان میں سے بعض روایتوں کو نمونہ کے طور پر پیش کررہے ہیں :

الف: بخاری نے اپنی کتاب صحیح میں آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب کے خصوصیات کو بیان کرنے والی ایک طولانی روایت کے ضمن میں یوں نقل کیا ہے:

"واذا توضّأ کادوا یقتتلون علیٰ وضوئہ"[2]

---

(1) صحیح بخاری جزئ2 کتاب الحج باب تقبیل الحجر ص 151 اور ص 152 طبع مصر.

(2) صحیح بخاری جلد3 باب مایجوز من الشروط ف الاسلام باب الشروط ف الجہاد والمصالحۃ ص 195

جس وقت پیغمبر خدا ﷺ وضو کرتے تھے تو نزدیک ہوتا تھا کہ مسلمان آپ ﷺ کے وضو کے پانی کو حاصل کرنے کے لئے آپس میں جنگ شروع کردیں.

ب: ابن حجر کہتے ہیں کہ:

"اِنّ النبی ﷺ کان یؤت بالصبیان فیبرک علیهم"[(1)]

بے شک نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بچوں کو لایا جاتا تھا اور آنحضرت ﷺ اپنے وجود کی برکت سے انہیں بھی بابرکت بنا دیتے تھے.

ج: محمد طاہر مکی کہتے ہیں : ام ثابت سے روایت ہوئی ہے وہ کہتی ہیں : کہ رسول خدا ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور آپ نے دیوار پر آویزاں ایک مشک کے دھانے سے کھڑے ہو کر پانی نوش فرمایا یہ دیکھ کر میں اپنی جگہ سے اٹھی اور میں نے اس مشک کے دھانے کو کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا اور پھر اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں : اسی حدیث کو ترمذی نے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور حسن ہے اور کتاب ریاض الصالحین میں اس حدیث کی شرح میں کہا گیا ہے کہ ام ثابت نے مشک کے دھانے کو اس لئے کاٹ لیا تھا تاکہ وہ اس جگہ کو اپنے پاس محفوظ کرلیں جہاں سے پیغمبر اکرم ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا کیونکہ وہ اسے باعث برکت سمجھتی تھیںّاسی طرح صحابہ کی بھی یہی کوشش رہتی تھی کہ وہ اس جگہ سے پانی پئیں جہاں سے پیغمبر اکرم ﷺ نے پانی پیا ہو.[(2)]

---

(1)الاصابۃ جلد1 خطبہ کتاب ص7 طبع مصر

(2)تبرک الصحابہ (محمد طاہر مکی) فصل اول ص29 ترجمہ انصاری.

"کان رسول اللہ ﷺ اِذا صلیٰ الغداۃ جاء خدم المدینۃ بآنیتھم فیھا الماء فما یُؤتی باناءٍ اِلا غمس یدہ فیھا فربما جاؤوہ فی الغداۃ الباردۃ فیغمس یدہ فیھا"[1]

رسول خدا ﷺ جب نماز صبح سے فارغ ہوجاتے تو مدینہ کے خادم پانی کے برتن لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے تھے اور آپ ﷺ ان سب برتنوں میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے تھے بعض اوقات تو وہ لوگ ٹھنڈک والی صبح میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ جاتے تھے لیکن پھر بھی آنحضرت ﷺ ان کے برتنوں میں ہاتھ ڈبو دیتے تھے.[2]

گذشتہ دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اولیائے الہی سے منسوب اشیاء کو باعث برکت قرار دینا ایک جائز عمل ہے اور وہ لوگ جو شیعوں پر اس عمل کی وجہ سے تہمت لگاتے ہیں وہ توحید اور شرک کے معنی کو اچھی طرح سے سمجھ نہیں پائے ہیں کیونکہ شرک کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی عبادت کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی خدا سمجھا جائے یا یہ عقیدہ ہو کہ خدائی امور اس کے سپرد کردیئے گئے ہیں اور وہ اپنے وجود اور

---

(1) صحیح مسلم جزء 7 کتاب الفضائل باب قرب النبی ﷺ من الناس وتبرکھم بہ، ص79.

(2)مزید معلومات کے لئے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ فرمائیں:

صحیح بخاری، کتاب اشربہ ،مؤطا مالک جلد1 ص138 باب صلوۃ علی النبی ﷺ ، اسد الغابۃ جلد5 ص90، مسند احمد جلد4 ص 32، الاستیعاب (الاصابۃ) کے حاشیے میں جلد3 ص 631، فتح الباری جلد1 صفحہ 281 اور 282.

تاثیر رکھنے میں خدا سے بے نیاز ہے۔

جبکہ شیعہ اولیائے الہی اور ان سے متعلق اشیاء کو خدا کی مخلوق اور اس کا محتاج سمجھتے ہیں اور وہ اپنے اماموں اور دین کے پرچمداروں کے احترام اور ان سے سچی محبت کے اظہار کے لئے ان بزرگوں کو باعث برکت قرار دے کر ان سے فیض حاصل کرتے ہیں ۔

شیعوں کا پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے اہل بیت ؑ کے حرم میں جاکر ان کی ضریح مقدس کو بوسہ دینا یا حرم کے در و دیوار کو مس کرنا صرف اس وجہ سے ہے کہ ان کے دل پیغمبر خدا ﷺ اور ان کی عترت کے عشق سے سرشار ہیں اور یہ عشق ہر انسان کی فطرت میں پایا جاتا ہے اور یہ ایک انسانی محبت کا جذبہ ہے جو ہر محبتی انسان کے اندر ظاہر ہوتا ہے : اس بارے میں ایک شاعر کہتا ہے:

أمر علیٰ الدیار دیار سلمیٰ

اقبل ذاالجدار و ذالجدار ا

وما حُبّ الدیار شغفن قلب

ولکن حُبّ مَن سکن الدیارا

میں جب سلمیٰ کے دیار سے گزرتا ہوں تو اس دیوار اور اس دیوار کے بوسے لیتا ہوںاس دیار کی محبت نے میرے دل کو لبھایا نہیں ہے بلکہ اس دیار کے ساکن کی محبت نے میرے قلب کو اسیر کرلیا ہے۔

اکیسواں سوال

کیا اسلام کی نگاہ میں دین سیاست سے جدا نہیں ہے؟

جواب: اس سوال کے جواب سے قبل بہتر یہ ہے کہ پہلے سیاست کے معنی کو واضح کردیا جائے تاکہ دین اور سیاست کا رابطہ سمجھ میں آسکے یہاں سیاست کے دو معنی بیان کئے جاتے ہیں .

1۔ سیاست کے یہ معنی مراد لئے جائیں کہ اپنے ہدف تک پہنچنے کے لئے ہر قسم کے وسیلے کو اختیار کیا جائے چاہے وہ وسیلہ دھوکہ اور فریب کاری ہی کیوں نہ ہو (یعنی مقصد کے حصول کے لئے کسی بھی چیز کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے) واضح ہے کہ اس قسم کی سیاست دھوکے اور فریب سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے اور ایسی سیاست کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے.

2۔ سیاست کے یہ معنی مراد لئے جائیں کہ اسلامی اصولوں کے مطابق انسانی معاشرے کے نظام کو چلایا جائے اس قسم کی سیاست کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کے نظام کو قرآن اور سنت کی روشنی میں چلایا جائے ایسی سیاست دین کا حصہ ہے اور ہرگز اس سے جدا نہیں ہے.

اب ہم یہاں پر سیاست اور دین کے درمیان رابطے اور حکومت کو تشکیل دینے سے متعلق چند دلیلیں پیش کریں گے : اس سلسلے میں واضح ترین گواہ پیغمبر خدا ﷺ کا عمل ہے پیغمبر خدا ﷺ کے اقوال اور کردار کے مطالعے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی دعوت اسلام کے آغاز ہی سے ایک ایسی مضبوط حکومت قائم کرنے کا ارادہ کرلیا تھا جس کی بنیاد خدا پر ایمان کے محکم عقیدہ پر استوار تھی اور جو اسلام کے مقاصد کو پورا کرسکتی تھی یہاں پر بہتر ہے کہ ہم رسول خدا ﷺ کے اس عزم و ارادہ کے سلسلے میں چند شواہد پیش کریں:

پیغمبر خدا ﷺ اسلامی حکومت کے بانی ہیں

1۔جس وقت رسول خدا ﷺ کو حکم ملا کہ لوگوں کو کھلم کھلا طریقے سے اسلام کی دعوت دیں تو اس وقت آنحضرت ﷺ نے مختلف طریقوں سے جہاد و ہدایت کے زمینے کو ہموار کیا اور اسلامی سپاہیوں کی تربیت اور ان کی آمادگی کا بیڑا اٹھایا اس سلسلے میں آپ نزدیک اور دور سے زیارت کعبہ کے لئے آنے والے افراد سے ملاقات کرتے تھے اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دیتے تھے اسی دوران آپ ﷺ نے مدینے کے دو گروہوں سے عقبہ کے مقام پر ملاقات کی اور ان سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ لوگ آنحضرت ﷺ کو اپنے شہر میں بلائینگے اور آپ ﷺ کی حمایت کریں[1] اور اس طرح اسلامی حکومت قائم

---

(1) سیرہ ہشام جلد1 ص431 مبحث عقبہ اولی طبع دوم مصر

کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی سیاست کا آغاز ہوا.

2۔رسول خدا ﷺ نے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد ایک ایسی مضبوط فوج تیار کی جس نے بیاسی جنگیں لڑیں اور ان جنگوں میں کامیابی حاصل کر کے اسلامی حکومت کی راہ میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو ہٹا دیا.

3۔مدینے میں اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس زمانے کی سیاسی اور اجتماعی بڑی طاقتوں کے پاس اپنے سفیر اور خطوط بھیج کر ان سے رابطہ قائم کیا اور بہت سے قبیلوں کے سربراہوں سے اقتصادی، سیاسی اور فوجی معاہدے کئے تاریخ نے پیغمبر خدا ﷺ کے ان خطوط کی خصوصیات و تفصیلات کو بیان کیا ہے جو آپ ﷺ نے ایران کے شہنشاہ "کسریٰ"، روم کے بادشاہ "قیصر"، مصر کے بادشاہ "مقوقس"، حبشہ کے بادشاہ "نجاشی" اور دوسرے بادشاہوں کو بھیجے تھے. بعض محققین نے آنحضرت ﷺ کے ان خطوط کو اپنی مستقل کتابوں میں جمع کیا ہے[1]

4۔رسول خدا ﷺ نے اسلام کے مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے اور اسلامی حکومت کے استحکام کے لئے بہت سے قبیلوں اور شہروں کے لئے حکام معین فرمائے تھے ہم یہاں اس سلسلے میں بطور مثال ایک نمونے کا ذکر کرتے ہیں پیغمبر اسلام ﷺ نے رفاعہ بن زید کو اپنا نمائندہ بنا کر انھیں ان کے اپنے قبیلے کی طرف روانہ کیا اور خط میں یوں تحریر فرمایا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ، (هذا كتاب) من

---

(1) جیسے کہ "الوثائق السیاسیہ" (مؤلفہ محمد حمید اللہ) "مکاتیب الرسول" (مؤلفہ علی احمدی) ہیں.

مُحَمَّد رسول اللّٰہ ﷺ لرفاعة بن زيد بعثته اِلىٰ قومه عامة و من دخل فيهم يدعوهم اِلىٰ اللّٰہ والىٰ رسوله فمن اقبل منهم فف حزب اللّٰہ و حزب رسوله و من أدبر فله أمان شهرين"[1]

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت ہی رحم کرنے والا ہے محمد رسول خدا ﷺ کی طرف سے یہ نوشتہ رفاعہ بن زید کے نام، بے شک میں انہیں ان کی قوم کے عام لوگوں اور قوم میں شامل ہوجانے والوں کی طرف بھیج رہا ہوں تاکہ وہ انہیں خدا اور اس کے رسول کی طرف دعوت دیں پس جس نے ان کی دعوت کو قبول کیا وہ خدا اور اس کے رسول کے گروہ میں شامل ہوگیا.اور جو ان کی دعوت سے روگردانی کرے گا اس کے لئے صرف دو ماہ کی امان ہے.

پیغمبر اسلام ﷺ کے ان اقدامات سے بخوبی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بعثت کے آغاز ہی سے ایک ایسی مضبوط حکومت بنانا چاہتے تھے کہ جس کے سائے میں انسانی معاشرے کی زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق، اسلام کے احکام کونافذ کیا جاسکے، اب سوال یہ ہے کہ رسول خدا صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ‌وسلم کا مختلف گروہوں اور قدرتمند قبیلوں سے معاہدہ کرنا ، ایک

---

(1) مکاتیب الرسول جلد 1 ص 144.

مضبوط فوج تیار کرنا، مختلف ممالک میں سفیر بھیجنا اور اس زمانے کے بادشاہوں کو خبردار کرنا، نیز ان سے خط و کتابت کرنا ساتھ ہی ساتھ شہروں کے گورنر اور حکام معین کرنا اور ایسے ہی دوسرے امور کا انجام دینا اگر سیاست نہیں تھا تو اور کیا تھا؟ پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کے علاوہ خلفائے راشدین کا کردار اور خاص طور پر حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب کا طرز عمل بھی شیعوں اور اہل سنت دونوں فرقوں کیلئے اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ سیاست دین سے جدا نہیں ہے.دونوں اسلامی فرقوں کے علماء نے حکومت

قائم کرنے کے سلسلے میں قرآن مجید اور سنت پیغمبر ﷺ سے مفصل دلیلیں بیان کی ہیں نمونے کے طور پر ہم ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں :

ابوالحسن ماوردی نے اپنی کتاب "احکام سلطانیہ" میں یوں لکھا ہے:

"الامامة موضوعة لخلافة النبّوة فی حراسة الدین و سیاسة الدنیا و عقدها لمن یقوم بها فی الأمة واجب بالاجماع"[1]

امامت کو نبوت کی جانشینی کے لئے قرار دیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ دین کی حفاظت کی جا سکے اور دنیا کی سیاست و حکومت کا کام بھی چل سکے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسی حکومت قائم کرنا اس شخص پر واجب ہوجاتا ہے جو اس کام کو انجام دے سکتا ہو۔

---

(1) الاحکام السلطانیۃ (ماوردی) باب اول ص5 طبع مصر.

اہل سنت کے مشہور عالم ماوردی نے اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے دو طرح کی دلیلیں پیش کی ہیں :

1۔ عقلی دلیل

2۔ شرعی دلیل

عقلی دلیل کو اس طرح بیان کرتے ہیں :

"لما فی طباع العقلاء من التسلیم لزعیم یمنعهم من التظالم و یفعل بینهم فی التنازع والتخاصم ولولا الولاة لکانوا فوضیٰ مهملین همجاً مضاعین"[1]

کیونکہ یہ بات عقلاء کی فطرت میں ہے کہ وہ کسی رہبر کی پیروی کرتے ہیں تاکہ وہ انہیں ایک دوسرے پر ظلم و ستم کرنے سے روکے اور اختلاف اور جھگڑوں کی صورت میں ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرے اور اگر ایسے حکام نہ ہوتے تو لوگ پراگندہ اور پریشان ہوجاتے اور پھر کسی کام کے نہ رہ جاتے.

اور شرعی دلیل کو اس طرح بیان کرتے ہیں :

"ولکن جاء الشرع بتفویض الأمور اِلی ولیه فی الدین قال الله عزّوجلّ (یَا اَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا

---

(1) الاحکام السلطانیۃ (ماوردی) باب اول ص5 طبع مصر.

اَطِيعُوا اللہ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُوْلِي الْاَمْرِ مِنْكُم)ففرض علينا طاعة أولى الأمر فينا وهم الأئمة المأتمرون علينا"[1]

لیکن شرعی دلیل میں یہ ہے کہ دین کے امور کو ولی کے سپرد کردیا گیا ہے خداوندکریم فرماتا ہے: ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تمہیں میں سے ہیں. پس خداوند نے ہم پر صاحبان امر کی اطاعت کو واجب کردیا ہے اور وہ ہمارے امام ہیں جو ہم پر حکومت کرتے ہیں .

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے فضل بن شاذان سے ایک روایت نقل کی ہے جو ہمارے آٹھویں امام علی بن موسیٰ الرضا کی طرف منسوب ہے اس طولانی روایت میں امام نے حکومت قائم کرنے کو ایک لازمی امر قرار دیا ہے . ہم اس روایت کے چند جملے ذکر کرتے ہیں :

"انّا لا نجد فرقة من الفرق ولا ملة من الملل
بقوا و عاشوا اِلاّ بقيّم و رئيس، لما لابدّ لهم
منه من أمر الدين والدنيا، فلم يجزفحكمة
الحكيمأن يترک الخلق لما يعلم انه لابدّ لهم منه

---

(1)الاحکام السلطانیۃ(ماوردی) باب اول ص5 طبع مصر.

والقوام لهم لاّ به فيقاتلون به عدوهم و يقسمون به فيئهم و يقيمون به جمعتهم و جماعتهم و يمنع ظالمهم من مظلومهم "(1)

ہمیں کوئی ایسی قوم یا ملت نہیں ملے گی جو اس دنیا میں باقی رہی ہو اور اس نے زندگی گزاری ہو سوائے یہ کہ اس کے پاس ایک ایسا رہبر اور رئیس رہا ہو جس کے وہ لوگ دین اور دنیا کے امور میں محتاج رہے ہوں پس خداوند حکیم کی حکمت سے یہ بات دور ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایک ایسی چیز عطا نہ فرمائے جسکے وہ لوگ محتاج ہیں اور اسکے بغیر باقی نہیں رہ سکتے ہیں کیونکہ لوگ اپنے رہبر ہی کی ہمراہی میں اپنے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور اسی کے حکم سے مال غنیمت کو تقسیم کرتے ہیں اور اس کی اقتداء میں نماز جمعہ اور بقیہ نمازیں باجماعت ادا کرتے ہیں اور رہبر ہی ظالموں سے مظلوموں کو بچاتا ہے.

اس سلسلے میں وارد ہونے والی ساری روایتوں کی تشریح کرنا اور تمام مسلمان فقہاء کے اقوال کا جائزہ لینا اس مختصر کتاب کی گنجائش سے باہر ہے اس کام کے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔ اسلامی فقہ کا دقت کے ساتھ مطالعہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ شریعت کے بہت سے قوانین ایسے ہیں جو ایکمضبوط حکومت کے بغیر نافذ

---

(1) علل الشرائع باب 182 حدیث نمبر9 ص 253

نہیں کئے جاسکتے ہیں۔

اسلام ہمیں جہاد اور دفاع کرنے ، ظالم سے انتقام لینے اور مظلوم کی حمایت کرنے، شرعی حدود اور تعزیرات جاری کرنے، امر بالمعروف و نھی عن المنکر انجام دینے، ایک مالی نظام برقرار کرنے اور اسلامی معاشرے میں وحدت قائم کرنے کا حکم دیتا ہے اب یہ بات واضح ہے کہ مذکورہ اہداف ایک مضبوط نظام اور حکومت کے بغیر پورے نہیں ہوسکتے کیونکہ شریعت کی حمایت اور اسلام سے دفاع کرنے کے لئے ایک تربیت یافتہ فوج کی ضرورت ہوتی ہے اور اس قسم کی طاقتور فوج تیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی اصولوں کے مطابق ایک مضبوط حکومت قائم کی جائے اور اسی طرح فرائض کی پابندی اور گناہوں سے دوری کے لئے حدود اور تعزیرات کو جاری کرنا اور ظالموں سے مظلوموں کا حق لینا ایک حکومت اور نظام کے بغیر ممکن نہیں ہے کیونکہ اگر قوی حکومت نہ پائی جاتی ہو تو معاشرہ فتنہ اور آشوب کی آماجگاہ بن جائے گا اگرچہ حکومت قائم کرنے کے لازمی ہونے کے سلسلے میں ہماری ان دلیلوں کے علاوہ بھی بہت سی دلیلیں ہیں لیکن ان دلیلوں ہی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نہ صرف دین سیاست سے جدا نہیں ہے بلکہ شریعت کے قوانین کے مطابق اسلامی حکومت قائم کرنا ایک لازمی امر ہے جو کہ اس دنیا میں پائے جانے والے ہر اسلامی معاشرہ کے لئے ایک فریضہ قرار دیا گیا ہے۔

بائیسواں سوال

شیعہ ، حضرت علی بن ابی طالب کے بیٹوں (امام حسنؑ اور امام حسینؑ) کو رسول خدا ﷺ کے بیٹے کیوں کہتے ہیں ؟

جواب: تفسیر، تاریخ اور روایات کی کتابوں کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ صرف شیعہ ہی یہ نظریہ نہیں رکھتے بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سارے مسلمان محققین چاہے وہ کسی بھی اسلامی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں ، اسی نظریئے کو قبول کرتے ہیں .

اب ہم قرآن مجید، احادیث اور مشہور مفسرین کے اقوال کی روشنی میں اس مسئلے کے دلائل کو بیان کریں گے :

قرآن مجید کی ایک اصل یہ ہے کہ اس نے ایک انسان کی نسل سے پیدا ہونے والی اولاد کو اسی انسان کی اولاد قرار دیا ہے اس اعتبار سے ایک انسان کی بیٹی یا اس کے بیٹے سے پیدا ہونے والی اولاد قرآن مجید کی نگاہ میں اس انسان کی اولاد ہے.

قرآن مجید اور سنت پیغمبر ﷺ میں اس حقیقت کے متعلق بہت سے شواہد موجود ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں :

1۔ مندرجہ ذیل آیت میں قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ کو حضرت ابراہیم کی اولاد میں شمار کیا ہے جبکہ حضرت عیسیٰ حضرت مریم کے بیٹے ہیں اور ان کا سلسلہ نسب ماں کے ذریعہ حضرت ابراہیم تک پہنچتا ہے:

(وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ* وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى)[1]

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب دیئے اور سب کو ہدایت بھی دی اور اس کے پہلے نوح کو ہدایت دی اور پھر ابراھیم کی اولاد میں داؤد، سلیمان ، ایوب،یوسف، موسیٰ، اورہارون قراردیئے اور ہم اسی طرح نیک عمل کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں اور (اسی طرح ابراہیم کی اولاد میں سے) زکریا ، یحییٰ اور عیسیٰ ہیں. مسلمان علماء اس آیۂ شریفہ کو اس بات پر شاہد قرار دیتے ہیں کہ امام حسن اور امام حسین رسول خدا ﷺ کی اولاد اورآپ ﷺ کی ذریت میں سے ہیں نمونے کے طور پر ہم

---

(1)سورہ انعام آیت: 84 اور 85

یہاںان علماء میں سے ایک عالم کے کلام کو پیش کرتے ہیں :

جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں :

"أرسل الحجاج اِلی یحییٰ بن یعمر فقال: بلغنی أنک تزعم أن الحسن والحسین من ذریة النبی ﷺ تجده فی کتاب اللّٰہ و قد قرأته من أوله اِلیٰ آخره فلم أجده قال : ألست تقرأ سورة الانعام (وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ) حتی بلغ يَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ ؟ قال بلیٰ قال: ألیس عیسیٰ من ذریة اِبراهیم و لیس له أب؟ قال: صدقتَ"[1]

حجاج نے یحییٰ بن یعمر کے پاس پیغام بھیجا اور ان سے یہ کہا : مجھے خبر ملی ہے کہ تم یہ گمان کرتے ہو کہ حسن اور حسین نبی اکرم ﷺ کی ذریت میں سے ہیں کیا تم نے اس بات کو کتاب خدا سے حاصل کیا ہے جبکہ میں نے قرآن مجید کو اول سے آخر تک پڑھا ہے لیکن میں نے کوئی ایسی بات اس میں نہیں دیکھی ہے.

یحییٰ بن یعمر نے کہا کیا تم نے سورہ انعام نہیں پڑھا ہے جس میں یہ ہے "وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ" یہاں تک کہ خدا فرماتا

---

(1)تفسیر در المنثور جلد3 ص28 طبع بیروت سورہ انعام کی 84 اور 85 آیت کی تفسیر کے ذیل میں.

ہے و یَحْیَی وَعِیسَی؟"حجاج نے کہا کیوں نہیں پڑھی ہے یحییٰ نے کہا کیا حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیم کی ذریت میں سے نہ تھے جب کہ ان کا کوئی باپ نہ تھا (اور ان کا سلسلہ نسب ماں کے ذریعہ حضرت ابراہیم تک پہنچتا ہے) حجاج نے جواب میں کہا کہ تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو.

مذکورہ آیت اور مفسرین کے اقوال سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوجاتی ہے کہ نہ صرف شیعہ بلکہ تمام مسلمان علماء امام حسن اور امام حسین کو رسول خدا ﷺ کی ذریت اور اولاد سمجھتے ہیں.

2۔ اس قول کے صحیح ہونے پر ایک بہت ہی واضح دلیل آیہ مباہلہ ہے اب ہم اس آیت کو مفسرین کے اقوال کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

(فَمَنْ حَاجَّکَ فِیهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَائَکَ مِنْ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَائَنَا وَاَبْنَائَکُمْ وَنِسَائَنَا وَنِسَائَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللهِ عَلَی الْکَاذِبِین)[1]

(اے پیغمبر) علم کے آجانے کے بعد جو لوگ آپ سے کٹ حجتی کریں ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ ہم لوگ اپنے اپنے بیٹوں، اپنی اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں اور پھر خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں.

---

(1) سورہ آل عمران آیت: 61

مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت "مباہلہ" کے نام سے مشہور ہے یہ آیت عیسائیوں کے سرداروں سے مناظرہ کرنے کے سلسلہ میں اس وقت نازل ہوئی جب وہ کٹ حجتی سے باز نہ آئے اور آنحضرت حکم خدا سے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت فاطمہ زہرا، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین ؑ کی ہمراہی میں مباھلہ کے لئے تشریف لے گئے اور جب نصاری کے بزرگوں نے پیغمبر خدا ﷺ اور ان کے اہل بیت ؑ کی یہ شان اور ہیبت دیکھی تو وہ سب خوفزدہ ہوگئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر یہ التماس کرنے لگے کہ آنحضرت ﷺ ان پر لعنت نہ کریں آنحضرت نے ان کی درخواست قبول کرلی اور ان کے ساتھ ایک معاہدہ کر کے اس قصے کو ختم کردیا شیعہ اور سنی علماء اس بات پر اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ مباہلہ کے دن حضرت امیرالمومنین، حضرت فاطمہ، حضرت امام حسن اور

حضرت امام حسین ؑ رسول خدا ﷺ کے ہمراہ تھے اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ "ابنائنا"(یعنی ہمارے فرزند) سے رسول خدا ﷺ کی مراد امام حسن اور، امام حسین ہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ آیہ مباہلہ نے بھی حضرت امام حسن اور امام حسین کو رسول خدا کا فرزند قرار دیا ہے.

یہاں پر اس نکتے کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ مفسرین نے آیہ مباہلہ کے ذیل میں بہت سی روایات ذکر کرنے کے بعد اس قول کے صحیح ہونے کی گواہی دی ہے نمونے کے طور پر ہم ان میں سے بعض مفسرین کے کلام کی طرف اشارہ کرتے ہیں :

الف: جلال الدین سیوطی نے حاکم، ابن مردویہ، اور ابو نعیم سے اور انہوں نے جابر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے: وہ کہتے ہیں :(أنفسنا و أنفسکم)رسول الله ﷺ و علی ،"ابنائنا"الحسن والحسین و "نسائنا "فاطمه.[1]

(انفسنا)"(یعنی ہماری جانوں) سے مراد رسول خدا ﷺ اور حضرت علی ہیں اور (ابنائنا)(یعنی ہمارے بیٹوں) سے مراد حسن و حسین ہیں اور(نسائنا)(ہماری عورتوں) سے مراد فاطمہ زہرا ہیں.

ب:فخر رازی اپنی تفسیر میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعدکہتے ہیں :

واعلم ان هذه الروایة کالمتفق علیٰ صحتها بین اهل التفسیر والحدیث[2]

جان لو کہ یہ روایت ایسی حدیث ہے کہ جس کے صحیح ہونے پر اہل تفسیر اور اہل حدیث کا اتفاق ہے۔

اور پھر اس کے بعدیوں کہتے ہیں

"المسألة الرابعة: هذه الآیة دالة علی أن الحسن والحسین کانا ابن رسول الله ﷺ وعد أن یدعوا أبنائه فدعا الحسن والحسین فوجب أن یکون ابنیه"[3]

---

(1) تفسیر در المنثور جلد 2 ص 39 طبع بیروت اسی آیت کی تفسیر کے ذیل میں.

(2)تفسیر "مفاتیح الغیب" جلد 2 ص 488 طبع 1ول مصر 1308ھ.

(3)تفسیر "مفاتیح الغیب" جلد 2 ص 488 طبع 1ول مصر 1308ھ.

یہ آیہ کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حسن اور حسین پیغمبر اکرم ﷺ کے فرزند تھے طے یہ ہوا تھا کہ رسول خدا ﷺ اپنے بیٹوں کو بلائیں پس آنحضرت ﷺ نے حسن و حسین ہی کو بلایا تھا پس یہ ثابت ہوگیا کہ وہ دونوں آنحضرت ﷺ کے بیٹے ہیں۔

ج: ابو عبداللہ قرطبی اپنی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں کہ:

(أبنائنا)دلیل علیٰ أن أبناء البنات یسمون أبناء اً.(1)

کلمہ ابنائنا دلیل ہے کہ بیٹی سے ہونے والی اولاد بھی انسان کی اولاد کہلاتی ہے۔

3۔رسول خدا ﷺ کے اقوال شاہد ہیں کہ امام حسن اور امام حسین آنحضرت ﷺ کے فرزند تھے۔یہاں پر ہم آنحضرت ﷺ کے صرف دو اقوال کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

الف: رسول خدا ﷺ حسن اور حسین کے متعلق فرماتے ہیں:

ھذان ابنای مَن أحبھما فقد أحبنی.(2)

حسن اور حسین میرے دو فرزند ہیں جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی.

ب: پیغمبر اسلام نے حسن اور حسین کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

ان بنّی ھٰذین ریحانتی من الدنیا.(3)

میرے یہ دو بیٹے اس دنیا سے میرے دو پھول ہیں.

---

(1) الجامع لاحکام القرآن جلد 4 ص 104 طبع بیروت.

(2) تاریخ مدینہ دمشق مصنفہ ابن عساکر ترجمۃ الامام الحسین ص59 حدیث 106 طبع اول بیروت 1400ھ.

(3) گذشتہ حوالہ ص62 حدیث نمبر 112.

تیئیسواں سوال

شیعوں کے نزدیک یہ کیوں ضروری ہے کہ خلیفہ کو خدا اور رسول ﷺ ہی معین فرمائیں؟

جواب: یہ واضح ہے کہ اسلام ایک ہمیشہ رہنے والا عالمی دین ہے پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ ہی امت کے رہبر اور ہادی تھے لیکن آپ کی رحلت کے بعد ضروری تھا کہ جو سب سے زیادہ لائق فرد ہو اسے امت اسلامیہ کی رہبری سونپ دی جائے .

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد خلیفہ، نص کے ذریعہ معین کیا جائے گا(یعنی خدا اور رسول ہی اپنا خلیفہ معین فرمائیں گے)یا یہ کہ خلافت ایک انتخابی عہدہ ہے ؟ اس سلسلہ میں چند نظریے پائے جاتے ہیں شیعوں کا اعتقاد ہے کہ منصب خلافت نص کے ذریعہ معین ہوتا ہے یعنی یہ ضروری ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا جانشین خدا کی جانب سے معین کیا جائے .
جب کہ اہل سنت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ منصب خلافت ایک انتخابی عہدہ ہے اور ضروری ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کی امت، مملکت کے امور کو چلانے کے لئے کسی ایک شخص کو خلیفہ چن لے.

عصر رسالت کے حالات کا تجزیہ بتاتا ہے کہ خلیفہ کو نص کے ذریعہ معین ہونا چاہیئے.

شیعہ علماء نے عقائد کی کتابوں میں خلیفہ کے نص کے ذریعہ معین کئے جانے کے بارے میں بہت سے دلائل بیان کئے ہیں لیکن وہ دلیل جسے یہاں بیان کیا جاسکتا ہے اور جس سے شیعوں کا عقیدہ بھی واضح ہوجاتا ہے وہ عصر رسالت کے حالات کا صحیح تجزیہ ہے.

عصر رسالت میں اسلام کی داخلی اور خارجی سیاست کا یہ تقاضا تھا کہ پیغمبر خدا ﷺ کا جانشین خدا کی طرف سے خود آنحضرت ﷺ کے ذریعہ معین کیا جائے کیونکہ مسلمانوں کو ہر لحظہ تین بڑی طاقتوں (روم کی سلطنت، ایران کی بادشاہت اور منافقین حجاز کی سازشوں) کی طرف سے شکست اور نابودی کا خطرہ لاحق تھا اسی طرح امت کی کچھ مصلحتیں بھی تقاضا کررہی تھیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ اپنا خلیفہ معین کر کے ساری امت کو بیرونی دشمن کی طاقت کے مقابلے میں ایک صف میں کھڑا کردیں اور اس طرح ملت اسلامیہ کو ان داخلی اختلافات سے بچالیں جن سے دشمنوں کے نفوذ اور تسلط کا موقع فراہم ہوسکتا ہے .

اس کی وضاحت

ان تین خطرناک طاقتوں میں سے ایک طاقت روم کی بادشاہی تھی جس سے پیغمبر اسلام ﷺ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک فکر مند رہے ہجرت کے آٹھویں سال فلسطین کی سرزمین پر مسلمانوں اور روم کے عیسائیوں کے درمیان پہلی جنگ ہوئی تھی اس جنگ میں اسلامی فوج کے تین کمانڈر "جعفر طیار" "زید بن حارثہ" اور "عبداللہ بن رواحہ" شہید ہوئے تھے اور سپاہ اسلام کو اس جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا .

کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی اس شکست سے قیصر روم کی فوج کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور ہر وقت اس بات کا ڈر رہتا تھا کہ کہیں وہ اسلام کے مرکزی علاقوں پر حملہ آور نہ ہوجائیں.

اسی وجہ سے پیغمبر اسلام ﷺ نے ہجرت کے نویں سال مسلمانوں کے ایک بڑے لشکر کو شام کے اطراف میں بھیجا تھا اور ارادہ یہ تھا کہ اگر جنگ کی نوبت آگئی تو آنحضرت ﷺ خود لشکر اسلام کی رہبری فرمائیں گے اس درد و رنج والے سفر میں سپاہ اسلام نے اپنی سابقہ شوکت پھر سے حاصل کی اور اسے اس کا سیاسی مقام و منصب دوبارہ مل گیا پیغمبر اسلام ﷺ اس فتح کے بعد بھی مطمئن نہیں ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنی بیماری سے چند دن پہلے مسلمانوں کی فوج کو "اسامہ" کی قیادت میں شام کی طرف جانے کا حکم دیا.

عصر رسالت میں مسلمانوں کی دوسری دشمن طاقت ایران کی بادشاہی تھی یہاں تک کہ ایران کے بادشاہ نے انتہائی غصے سے آنحضرت ﷺ کے خط کو پھاڑ دیا تھا اور آپ ﷺ کے ایلچی کو توہین کے ساتھ باہر نکال دیا تھا اور نیز یمن کے گورنر کو خط لکھا تھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو گرفتار کرلے اور ممانعت کی صورت میں انہیں قتل کرڈالے.

اگرچہ ایران کا بادشاہ خسرو پرویز رسول خدا ﷺ کے زمانے ہی میں مر گیا تھا لیکن مدتوں سے ایران کے زیر اقتدار رہنے والے ملک یمن کا مسلمانوں کے ذریعہ استقلال حاصل کرلینا ایرانی بادشاہوں کو شدید ناگوار گزرا اس وجہ سے ایران کی سطوت شاہی کے لئے اسلام کی طاقت کو پھلتا پھولتا دیکھنا برداشت کے قابل نہیں تھا.

مسلمانوں کو تیسرا خطرہ منافقین کے گروہ سے تھا منافقوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش تھی کہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی کے ذریعہ فتنہ و فساد پیدا کریں ان لوگوں کے نفاق اور کینہ کا اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے تبوک سے مدینہ کے راستے میں حضرت رسول اکرم ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ تیار کیا تھا یہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ رسول خدا ﷺ کی رحلت سے اسلام کی تحریک ختم ہوجائے گی اور وہ لوگ آسودہ خاطر ہوجائیں گے منافقین کے عزائم اور ان کی سازشوں کو آشکار کرنے کے لئے قرآن مجید نے ان سورتوں: آل عمران، نساء، مائدہ، انفال، توبہ، عنکبوت، احزاب، محمد، فتح، مجادلہ، حدید، منافقین اور حشر میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے.[1]

اسلام کے ایسے سرسخت اور خطرناک دشمنوں کی موجودگی میں کیا یہ صحیح تھا کہ رسول خدا ﷺ تازہ مسلمانوں کے دینی اور سیاسی امور کی رہبری کے لئے اپنا کوئی جانشین معین نہ فرماتے؟

اس وقت کے اجتماعی حالات کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ ضروری تھا کہ رسول خدا ﷺ اپنے بعد اپنا جانشین معین کرکے ہر قسم کے اختلاف کا سد باب کردیتے اور ایک مستحکم دفاعی نظام تشکیل دیتے ہوئے اسلامی وحدت کو دوام بخشتے اگر

---

(1)فروغ ابدیت، مولف استاد جعفر سبحانی (اقتباس)

آنحضرت ﷺ اپنا کوئی خلیفہ معین نہ فرماتے تو عالم اسلام کو شدید قسم کے ناگوار واقعات کا سامنا کرنا پڑتا اور نتیجۃً ہر گروہ یہ کہنے لگتا کہ خلیفہ ہم میں سے ہونا چاہیئے.

رسول خدا ﷺ کی حدیثیں

اجتماعی حالات کے تقاضوںاورچند دوسری وجوہات کی بنیاد پر آنحضرت ﷺ نے اول بعثت سے لے کر اپنی زندگی کے آخری ایام تک اپنی جانشینی کے مسئلے کو بیان فرمایا ہے آپ ﷺ نے دعوت ذوالعشیرہ میں جہاں اپنی رسالت کا اعلان فرمایا وہیں اپنے جانشین کو بھی معین فرما دیا تھا اور اسی طرح اپنی زندگی کے آخری ایام میں حجۃ الوداع سے لوٹتے وقت غدیر خم کے میدان میں اپنے جانشین کا اعلان فرمایا تھا اورنہ صرف ان دو مقامات پر بلکہ آنحضرت ﷺ اپنی ساری زندگی کے دوران مختلف مقامات پر اپنے جانشین کی شناخت کراتے رہے مزید تفصیلات کے لئے اسی کتاب میں تیسرے سوال کے جواب کا مطالعہ فرمائیں ہم نے وہاں پیغمبر اسلام ﷺ کی حدیثونکے تین ایسے نمونے ذکر کئے ہیں جن میں آنحضرت کے جانشین کا تذکرہ ہے وہاں ہم نے ان حدیثوں کے ماخذ بھی ذکر کئے ہیں .

صدر اسلام کے حالات اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ان حدیثوں (جن میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کو اپنا جانشین مقرر فرمایا ہے) کے مطالعے سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوجاتی ہے کہ خلیفہ خدا و رسول ہی کی طرف سے معین ہوتا ہے۔

چوبیسواں سوال

کیا غیر خدا کی قسم کھانا شرک ہے؟

جواب: لفظ توحید اور شرک کے معنی جاننے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کی آیات اورحدیثوںکا مطالعہ کیا جائے کیونکہ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ حق کو باطل سے اور توحید کو شرک سے جدا کرنے کا بہترین معیار ہیں .

اس بنیادپر بہتر ہے کہ ہر قسم کے نظریہ اور عمل کو قرآن اور سنت پیغمبر ﷺ کی روشنی میں زندہ اور بے تعصب ضمیر کے ساتھ پرکھیں اب ہم یہاں پر قرآن و سنت سے غیر خدا کی قسم کھانے کے جائز ہونے پرچند دلیلیں پیش کریں گے :

1۔قرآن مجید میں چند محترم مخلوقات جیسے"پیغمبراکرم ﷺ "اور "روح انسان" "قلم" "سورج" "چاند" "ستارے" "دن اور رات" "آسمان اور زمین" "زمانے" "پہاڑ اور سمندر" وغیرہ کی قسم کھائی گئی ہے یہاں ہم ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں :

الف: (لَعَمْرُکَ انَّھُمْ لَفِی سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُونَ)[1]

---

(1)سورہ حجر آیت 72

(پیغمبر ﷺ !) آپ کی جان کی قسم یہ لوگ اپنی خواہش نفس کے نشے میں اندھے ہورہے ہیں.

ب: (وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَالْقَمَرِ اذَا تَلاَهَا وَالنَّهَارِ اِذَا جَلاَّهَا وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشَاهَا وَالسَّمَائِ وَمَا بَنَاهَا وَالْ َرْضِ وَمَا طَحَاهَا وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا...)[1]

آفتاب اور اس کی روشنی کی قسم. اور چاند کی قسم جب وہ اس کے پیچھے چلے. اور دن کی قسم جب وہ روشنی بخشے.اور رات کی قسم جب وہ اسے ڈھانک لے . اور آسمان کی قسم اور جس نے اسے بنایا. اور زمین کی قسم اور جس نے اسے بچھایا. اور نفس کی قسم اور جس نے اسے درست کیا. پھر بدی اور تقوی کی ہدایت دی ہے.

ج: (وَالنَّجْمِ اِذَا هَوَى)[2]

قسم ہے ستارے کی جب وہ ٹوٹا.

د: (وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ)[3]

---

(1)سورہ شمس آیت 1 تا 8

(2)سورہ نجم آیت:1

(3)سورہ قلم آیت:1

ھ: (وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنسَانَ لَفِی خُسْرٍ)[1]

قسم ہے عصر کی. بے شک انسان خسارے میں ہے.

و: (وَالْفَجْرِ وَلَیَالٍ عَشْرٍ)[2]

قسم ہے فجر کی. اور دس راتوں کی.

ز: (وَالطُّورِ وَکِتَابٍ مَسْطُورٍ فِی رَقٍّ مَنْشُورٍ وَالْبَیْتِ الْمَعْمُورِة وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُور)[3]

طور کی قسم. اور لکھی ہوئی کتاب کی قسم. جو کشادہ اوراق میں ہے. اور بیت معمور کی قسم. اور بلند چھت (آسمان) کی قسم. اور بھڑکتے ہوئے سمندر کی قسم.

اسی طرح ان سورتوں "نازعات" "مرسلات" "بروج" "طارق" "بلد" "تین" "ضحی" میں بھی دنیا کی مختلف اشیاء کی قسمیں کھائی گئی ہیں .

اگر غیر خدا کی قسم کھانا شرک ہوتا تو اس قرآن مجید میں جو توحید کا مظہر ہے، ہر گز غیر خدا کی قسمیں نہ کھائی جاتیں اور اگر اس قسم کی قسمیں کھانا صرف خداوند کی

---

(1) سورہ عصر آیت 1 اور 2.

(2) سورہ فجر آیت: 1 اور 2.

(3) سورہ طور آیت نمبر 1 سے 6 تک.

خصوصیات میں سے ہوتا تو قرآن مجید میں ضرور اس بات کی طرف متوجہ کرادیا جاتا تاکہ بعد میں کسی کو دھوکہ نہ ہو.

2۔دنیا کے سارے مسلمان رسول خدا ﷺ کو اپنے لئے اسوہ عمل سمجھتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی سیرت کو حق اور باطل کی شناخت کے لئے میزان قرار دیتے ہیں .

عالم اسلام کے محققین اور اہل سنت کی صحیح اور مسند کتابوں کے مؤلفین نے پیغمبر خدا ﷺ کی بہت سی ایسی قسموں کو نقل کیا ہے جو حضور اکرم ﷺ نے غیر خدا کے نام سے کھائی تھیں.

احمد بن حنبل نے اپنی کتاب مسند میں پیغمبر اسلام ﷺ سے یوں روایت کی ہے :

"فلعمر لأن تتکلم بمعروف و تنھیٰ عن منکر خیر من أن تسکت"..[1]

میری جان کی قسم ! تمہارے خاموش رہنے سے کہیں بہتر یہ ہے کہ تم امر بمعروف اور نھی از منکر کرو.

مسلم بن حجاج کا اپنی کتاب صحیح میں بیان ہے کہ :

جاء رجل اِلی النبی فقال: یا رسول اللہ أّ الصدقة أعظم أجرًا؟ فقال: أما و أبیک لتنبأنّہ أن تصدق و أنت صحیح شحیح تخشی الفقر و تأمل البقائ.....[2]

---

(1)مسند احمد جلد 5 ص 224 اور 225 حدیث بشیر ابن خصاصیہ سدوسی.

(2) صحیح مسلم، جزء سوم ، طبع مصر ، کتاب الزکاة، باب بیان ان افضل الصدقة، صدقة الصحیح الشحیح، ص 93 اور 94

ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کونسا صدقہ زیادہ اجر رکھتا ہے ؟پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: تمہارے باپ کی قسم یقینا تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ (سب سے زیادہ اجر والا صدقہ) یہ ہے کہ تم صحت مندی، آرزوئے حیات ، خوف فقر اور امید بقاء کے ساتھ صدقہ دو .جو لوگ دنیا کے اکثر مسلمانوں کو صرف اس وجہ سے مشرک سمجھتے ہیں کہ وہ سب غیر خدا کی قسم کھاتے ہیں تو وہ پیغمبر خدا کے اس عمل کی کیا تاویل کریں گے ؟

3۔کتاب خدا اور سنت پیغمبر ﷺ کے علاوہ رسول خدا ﷺ کے انتہائی قریبی اور متعبر اصحاب کی سیرت بھی اس عمل کے جائز ہونے کی بہترین دلیل ہے .

عالم اسلام کے عظیم الشأن رہبر حضرت علی بن ابی طالب نے اپنے بہت سے گہربار خطبوں اور بیانات میں اپنی جان کی قسم کھائی ہے وہ فرماتے ہیں :

ولعمر لیضعفن لکم التیه من بعد أضعافا[1]

میری جان کی قسم میرے بعد تمہاری یہ حیرانی اور سرگردانی کئی گنا بڑھ جائے گی ۔

ایک جگہ اور فرماتے ہیں :

"ولعمر لأن لم تنزع عن غیک و شقاقک لتعرفنهم عن قلیل یطلبونک"[2]

---

(1) نہج البلاغہ (محمد عبدہ) خطبہ نمبر161.

(2) نہج البلاغہ (محمد عبدہ) مکتوب نمبر9.

میری جان کی قسم اگر تم اپنی گمراہی اور شقاوت سے دست بردار نہ ہوئے تو عنقریب انہیں دیکھو گے کہ وہ لوگ تمہیں بھی ڈھونڈ لیں گے. [1]

اب واضح ہے کہ ان سب روایات کے مقابلے میں اجتہاد اور استحسان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور کوئی بھی دلیل قرآن مجید کی آیتوں، پیغمبر اکرم ﷺ کی سنت اور معتبر صحابہ کی سیرت کو غلط قرار نہیں دے سکتی اور نہ ہی ان کی طرف شرک کی نسبت دے سکتی ہے.

نتیجہ: گزشتہ دلائل کے مجموعے سے اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ قرآن و سنت اور مومنین کی سیرت کے اعتبار سے غیر خدا کی قسم کھانا ایک جائز اور مسلم اصل کی حیثیت رکھتا ہے اور کسی بھی طرح عقیدہ توحید سے نہیں ٹکراتا .

لہذا اگر کوئی روایت ظاہری طور پر ان یقینی دلیلیوں کی مخالفت کرے تو اس کی تاویل کرنی چاہیے تاکہ وہ قرآن و روایات کی مسلم اصل کے موافق ہوجائے .

بعض اوقات ایک ایسی مبہم سی روایت کو پیش کیا جاتا ہے جس میں اس عمل کی مخالفت کی گئی ہے یہاں ہم اس روایت کو اسکے جواب کے ساتھ بیان کرتے ہیں :

اِن رسول اللہ سمع عمر و هو یقول : وأبی،فقال: اِن اللہ ینهاکم أن تحلفوا بآبائکم و من کان حالفاً فلیحلف باللہ أو یسکت[2]

---

(1) اور زیادہ موارد کی آگاہی کے لئے خطبہ نمبر168، 182، اور 187 اور مکتوب نمبر 6 اور 54 کی طرف رجوع فرمائیے.

(2) سنن الکبری، جلد 10 ص 29 اور سنن نسائی جلد 7 صفحہ نمبر 5 اور 6.

رسول خدا ﷺ نے حضرت عمر کو یہ کہتے ہوئے سنا میرے باپ کی قسم (یہ سن کر) پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا خداوند کریم نے تم لوگوں کو اپنے باپ کی قسم کھانے سے منع کیا ہے اور جسے قسم کھانا ہو وہ خدا کی قسم کھائے یا پھر چپ رہے.

اگرچہ یہ حدیث قرآن کی ان آیات اور روایات کے مقابلے میں جو غیر خدا

کی قسم کھانے کو جائز قرار دیتی ہیں ، کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہے لیکن پھر بھی اس حدیث کو آیات اور روایات کے ہمراہ لانے کے لئے یہ کہنا ضروری ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے حضرت عمر اور ان جیسے افراد کو اپنے باپ کی قسم کھانے سے اس لئے روکا تھا کہ ان کے باپ مسلمان نہیں تھے اور غیر مسلموں کی قسمیں نہیں کھائی جاسکتیں۔

پچیسواں سوال

کیا اولیائے خدا سے توسل کرنا شرک اور بدعت ہے؟

جواب:توسل کے معنی یہ ہیں کہ تقرب الہی کے لئے کسی محترم مخلوق کو اپنے اور خدا کے درمیان وسیلہ قرار دیا جائے .

ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں :

"توسّل اِلیه بکذا ، تقرب اِلیه بحرمة آصرة تعطفه علیه"[1]

اس نے فلان چیز کے ذریعہ اس شخصیت سے توسل کیا یعنی اس نے اس چیز کی حرمت کے ذریعہ اس ذات سے قربت اختیار کی جب کہ اس کی حرمت سے اپنی قلبی محبت کو اپنے اندر محسوس کیا .

قرآن مجید فرماتا ہے:

---

(1)لسان العرب، جلد11 ص734.

(يَاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا الله وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ)[1]

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو کہ شاید اس طرح کامیاب ہوجاؤ.

جوہری "صحاح اللّغۃ" میں "وسیلہ" کی تعریف کویوں بیان کرتے ہیں :

"الوسيلة ما يتقرّب به الى الغير"

وسیلہ ایسی چیز ہے جسکے ذریعہ کسی دوسرے کے قریب ہوا جائے اس اعتبار سے بعض اوقات انسان کے نیک اعمال اور خدا کی خالص عبادت اس کیلئے وسیلہ بنتے ہیں اور کبھی کبھی خدا کے محترم اور مقدس بندے انسان کے لئے وسیلہ قرار پاتے ہیں .

توسل کی قسمیں

توسل کی تین قسمیں ہیں :

1۔نیک اعمال سے توسل؛

جلال الدین سیوطی نے اس آیت (وَابْتَغُوا الَيْهِ الْوَسِيلَةَ) کے ذیل میں اس روایت کا ذکرکیا ہے:

عن قتادة ف قوله تعالیٰ"وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ"قال : تقرّبوا اِلی الله بطاعته والعمل بما يرضيه[1]

---

(1)سورہ مائدہ آیت:35.

(2)تفسیر درالمنثور جلد2 ص 280 مطبوعہ بیروت اسی آیت کی تفسیر کے ذیل میں.

(وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ)اس آیت کے متعلق قتادة کا بیان ہے. کہ خدا کی اطاعت اور اس کو خوشنود کرنے والے عمل کے ذریعہ خدا سے قربت اختیار کرو.

2۔ خدا کے نیک بندوں کی دعاؤں سے توسل!

قرآن مجید نے جناب یوسف کے بھائیوں اور جناب یعقوب کی گفتگو کو یوں بیان کیا ہے:

(قَالُوا يَاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَااِ نَّا كُنَّا خَاطِئِينَ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي اِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ)[1]

ان لوگوں نے کہا باباجان اب آپ ہمارے گناہوں کیلئے استغفار کریں ہم یقینا خطاکار تھے انہوں نے کہاکہ میں عنقریب تمہارے حق میں استغفار کروں گا کہ میرا پروردگار بہت بخشنے والا اور مہربان ہے.

اس آیت سے اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ جناب یعقوب کے بیٹوں نے اپنے والد کی دعا اور ان کے استغفار سے توسل کیا تھا حضرت یعقوب نے بھی نہ صرف ان کے توسل پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ ان سے وعدہ بھی کیا کہ وہ ان کے حق میں دعا اور استغفار کرینگے.

---

(1)سورہ یوسف آیت نمبر 97 اور 98.

3۔قرب الہی کے حصول کیلئے خداوند کریم کے محترم اور مقدس بندوں سے توسل:

اس قسم کے توسل کی مثالیں، اوائل اسلام میں آنحضرت ﷺ کے اصحاب کی سیرت میں دکھائی دیتی ہیں اب ہم یہاں اس مسئلے کی دلیلوں کو احادیث اور سیرت
صحابہ کی روشنی میں پیش کرتے ہیں .

احمدابن حنبل نے اپنی کتاب مسند میں عثمان بن حنیف سے یہ روایت نقل کی ہے :

اِن رجلاً ضریر البصر أتی النبّی ﷺ فقال ادع اللہ أن یعافینی قال: اِن شئت دعوت لک و اِن شئت أخرت ذاک فھو خیر فقال ادعہ فأمرہ أن یتوضأ فیحسن وضوئہ فیصلی رکعتین و یدعو بھذا الدعائ: اللّھم اِنیّ أسئلک و أتوجہ اِلیک بنبیک محمدٍ نبّی الرحمۃ یا مُحَمَّد اِنیّ توجّھت بک اِلیٰ ربیّ فی حاجتی ھذہ ، فتقض لی اللّھم شفّعہ فیّ.[1]

ایک نابینا شخص رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ ﷺ پروردگار سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے شفا بخشے آنحضرت نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہارے لئے دعا کرتا

---

(1)مسند احمد بن حنبل ، جلد 4 ص 138 روایات عثمان بن حنیف ، مستدرک حاکم ؛ جلد 1 کتاب صلوۃ التطوع

طبع بیروت 313، سنن ابن ماجہ جلد 1 ص 441 طبع دار احیاء الکتب العربیہ، "التاج" جلد 1 ص 286، الجامع الصغیر (سیوطی) ص 59، التوسل و الوسیلہ (ابن تیمیہ) ص 98 طبع بیروت.

ہوں لیکن اگر چاہو تو اس سلسلے میں کچھ تاخیر کردی جائے اور یہی بہتر بھی ہے اس نے عرض کیا کہ آپ ﷺ دعا فرمادیں تو پیغمبر خدا ﷺ نے اس شخص کو حکم دیا کہ وہ وضو کو اچھے طریقے سے انجام دے اور پھر دو رکعت نماز بجا لائے اور یہ دعا پڑھے :اے معبود میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے پیغمبر نبی رحمت ﷺ حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے اے محمد ﷺ میں آپکے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ آپ میری حاجت کو قبول فرمائیں اے معبود ان کو میرے لئے شفیع قرار دے.

محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب مستدرک میں اس حدیث کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ" یہ ایک صحیح حدیث ہے" ابن ماجہ نے بھی ابو اسحاق سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ :" یہ روایت صحیح ہے" اسی طرح ترمذی نے اپنی کتاب "ابواب الادعیہ" میں اس حدیث کے صحیح ہونے کی تائید کی ہے "محمد بن نسیب الرفاعی " نے بھی اپنی کتاب "التوصل الی حقیقۃ التوسل" میں یوں بیان کیا ہے

لاشک اِن هذا الحديث صحيح و مشهور ...و قد ثبت فيه بلا شک ولاريب ارتداد بصر الأعمى بدعاء رسول الله ﷺ [1]

---

(1)التوصل الی حقیقۃ التوسل ص 158 طبع بیروت.

بے شک یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے... بہ تحقیق اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول خدا ﷺ کی دعا کے نتیجے میں اس اندھے شخص کی بصارت لوٹ آئی تھی اس حدیث سے اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ حاجات کے لئے پیغمبر خدا ﷺ کو وسیلہ بنا کر ان سے توسل کرنا ایک جائز عمل ہے کیونکہ رسول خدا نے اس نابینا شخص کو حکم دیا تھا کہ وہ اس طرح دعا کرے اور حضور(ص) کو اپنے اور پروردگار کے درمیان وسیلہ قرار دے اس طرح یہ حدیث اولیائے الٰہی سے توسل کو ثابت کرتی ہے.

2۔ ابوعبداللہ بخاری کا اپنی کتاب صحیح میں بیان ہے:

اِن عمربن الخطاب رضی اللہ عنه کان اِذا قحطوا استسقیٰ بالعباس بن عبدالمطلب فقال : اللّھم اِن کنّا نتوسّل اِلیک بنبیّنا فتسقینا و اِنّا نتوسّل اِلیک بعمّ نبیّنا فاسقنا: قال، فیُسقون.[1]

جب قحط پڑتا تھا تو عمر ابن خطاب ہمیشہ عباس ابن عبدالمطلب کے وسیلے سے بارش کیلئے دعا کرتے تھے اور کہتے تھے "خدایا! پیغمبر کے زمانے میں ہم آنحضرت ﷺ سے متوسل ہوتے تھے اور تو ہم پر بارش نازل کرتا تھا اب ہم پیغمبر ﷺ کے چچا کے وسیلے سے تجھ

---

(1) صحیح بخاری جز 2 کتاب الجمعہ باب الاستسقاء ص 27 طبع مصر.

سے توسل کررہے ہیں تاکہ تو ہمیں سیراب کردے "چنانچہ اس طرح وہ سیراب کردئیے جاتے تھے.

3۔صدر اسلام کے مسلمانوں کے درمیان اولیائے الہی سے توسل اس حد تک رائج تھا کہ وہ لوگ اپنے اشعار میں بھی حضور صلی‌اللہ‌علیہ‌وآلہ‌وسلم کے وسیلہ ہونے کا تذکرہ کرتے تھے بطور مثال سواد ابن قارب کا یہ قصیدہ ملاحظہ فرمائیں جس میں انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی مدح سرائی کی ہے :

واشهد أن لاربّ غيره

وأنک مأمون علیٰ کل غالب

و أنک أدنیٰ المرسلين وسيلة

اِلی الله یابن الأکرمين الأطائب[1]

میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں ہے اور آپ ﷺ ہرپوشیدہ چیز کے لئے امین ہیں اور اے مکرم اور پاک طینت افراد کے فرزند میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ تمام نبیوں کے درمیان پروردگار کا نزدیک ترین وسیلہ ہیں .

پیغمبر خدا نے سوادبن قارب سے یہ قصیدہ سنا تھا لیکن اس کے اشعار پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اور نہ ہی سواد کے اس کام کو شرک وبدعت قرار دیا تھا .

امام شافعی نے بھی اپنے ان اشعار میں اس حقیقت کو بیان کیا ہے :

آل النبّي ذريعت

هم اليه وسيلت

أرجوبهم أعطی غدًا

بيد اليمين صحيفت[2]

---

(1) الدر السنیہ ، مؤلفہ سید احمد بن زینی دحلان ص 29 طبرانی سے نقل کرتے ہوئے.

(2)الصواعق المحرقہ ، مؤلفہ ابن حجر عسقلانی ص 178 طبع قاہرہ.

پروردگار تک پہنچنے کے لئے پیغمبر کی آل میرے لئے وسیلہ ہیں میں ان کی وجہ سے امیدوار ہوں کہ میرا نامہ اعمال میرے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا.

اولیائے الہی سے توسل کے جائز ہونے کے سلسلے میں بہت سی روایات آئی ہیں اور انہی روایات کی روشنی میں پیغمبر خدا ﷺ صحابہ اور علمائے اسلام کا اس موضوع سے متعلق نظریہ معلوم ہوجاتا ہے اور مزید گفتگو کی چنداں ضرورت نہیں رہتی ہے ۔ ہمارے اسی بیان سے ان لوگوں کا یہ کلام کہ خدا کے محترم بندوں سے توسل کرنا شرک اور بدعت ہے ، باطل ہوجاتا ہے ۔

چھبیسواں سوال

کیا اولیائے خدا کی ولادت کے موقع پر جشن منانا بدعت یا شرک ہے؟

جواب: خدا کے نیک بندوں کی یاد منانا اور ان کی ولادت کے موقع پر جشن منانا ، عقلاء کی نظر میں ایک واضح مسئلہ ہے لیکن پھر بھی ہم اس عمل کے جائز ہونے کی دلیلیں اس لئے پیش کررہے ہیں تاکہ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہ جائے.

1۔ ان کی یاد منانے میں محبت کا اظہار ہوتا ہے.

قرآن مجید نے مسلمانوں کو پیغمبر خدا ﷺ اور ان کے اہل بیت ؑ سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے:

(قُلْ لاَاَسْءَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبَیٰ)[1]

---

(1)سورہ شوریٰ آیت :23

(اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ میرے اقربا سے محبت کرو.
اس میں شک نہیں ہے کہ مسلمان اولیاء خدا کی یاد منا کر ان سے اپنی اس
محبت و الفت کا اظہار کرتے ہیں جس کا حکم قرآن مجید نے دیا ہے.

2۔پیغمبر اکرم ﷺ کی یاد منانا آنحضرت ﷺ کی تعظیم کا اظہار ہے

قرآن مجید نے رسول خدا کی نصرت کرنے کے علاوہ آپ کے احترام کو بھی کامیابی اور سعادت کا معیار قرار دیا ہے.

(فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِی اُ نزِلَ مَعَهُ اُ وْلَئِکَ هُمْ الْمُفْلِحُون)[1]

پس جو لوگ پیغمبر پر ایمان لائے اور ان کا احترام کیا، ان کی امداد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ نازل ہوا ہے وہی درحقیقت فلاح یافتہ اور کامیاب ہیں.

گزشتہ آیت کی روشنی میں بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں پیغمبر اکرم ﷺ کا احترام انتہائی پسندیدہ کام ہے اور ان کی یاد کو ہمیشہ زندہ رکھنے اور ان کے بلند مقام کی تعظیم کے لئے جشن منانا خداوندعالم کی خوشنودی کا باعث بنتا ہے کیونکہ اس آیت میں

---

(1) سورہ اعراف آیت: 157

فلاح یافتہ لوگوں کے لئے چار صفات ذکر کی گئی ہیں :

الف: ایمان(الَّذِینَ آمَنُوا بِه) وہ لوگ نبی ﷺ پر ایمان لائے.

ب: ان کے نور کی پیروی (وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِی أُنزِلَ مَعَهُ) اور اس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ نازل ہوا.

ج: ان کی نصرت کرنا (وَنَصَرُوه) اورانہوں نے ان کی نصرت کی.

د: پیغمبر اکرم ﷺ کی تعظیم(وَعَزَّرُوه) اور ان کا احترام کیا.

اس اعتبار سے پیغمبر اکرم ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کرنے اور ان کے دئیے ہوئے احکام کی پیروی کرنے کے علاوہ آنحضرت ﷺ کا احترام اورآپ ﷺ کی تعظیم بھی ایک ضروری امر ہے اس لحاظ سے حضور سرورکائنات ﷺ کی یاد کو باقی رکھنا "وَعَزَّرُوهُ" کے امر کا امتثال ہے.

3۔ انکی یاد منانے میں خداوندعالم کی پیروی ہے.

خداوندعالم قرآن مجید میں پیغمبر اکرم ﷺ کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

(وَ رَفَعْنٰا لَکَ ذِکْرَکَ)[1]

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کردیا.

اس آیت کی روشنی میں معلوم ہوجاتا ہے کہ خداوندعالم یہ چاہتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ

---

(1)سورہ انشراح آیت 4

کی عظمت و جلال کو اس دنیا میں پھیلا دے اور خود ذات کردگار نے بھی قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کی تعظیم کی ہے اس لئے ہم بھی قرآن مجید کی پیروی کرتے ہوئے پیغمبر اکرم ﷺ جو کہ اسوہ کمال و فضیلت ہیں کی یاد منا کر ان کی تعظیم کرتے ہیں .اور اس طرح پروردگار عالم کی پیروی کرتے ہیں .

واضح ہے کہ مسلمانوں کا ان محافل کو منعقد کرنے کا مقصد پیغمبر اکرم ﷺ کے ذکر کو بلند کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے.

4۔وحی کا نازل ہونا دسترخوان کے نازل ہونے سے کم نہیں ہے

قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ کی دعا کو یوں بیان کیا ہے:

(قَالَ عِیسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللهُمَّ رَبَّنَا انزِلْ عَلَیْنَا مَائِدَةً مِنْ السَّمَاءِ تَکُونُ لَنَا عِیدًا لِاَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآیَةً مِنْکَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیرُ الرَّازِقِینَ)[1]

عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے خدا! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے دسترخوان نازل فرما تاکہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید ہوجائے اور تیری طرف سے نشانی بن جائے .

حضرت عیسیٰ نے خداوندعالم سے درخواست کی تھی کہ ان پر آسمان سے ایک

---

(1)سورہ مائدہ آیت: 114

دسترخوان نازل کیا جائے تاکہ اس کے نازل ہونے کادن ان کیلئے عید بن جائے .

اب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ جب خدا کے ایک نبی کی نگاہ میں دسترخوان (جس سے جسمانی لذت حاصل ہوتی ہے) کے نازل ہونے کا دن عید ہے تو اب اگر دنیا کے مسلمان وحی کے نازل ہونے اور(پیغمبراکرم ﷺ جو انسانوں کی بخشش کا ذریعہ اور حیات ابدی کا سرچشمہ ہیں)کی ولادت با سعادت کے دن کو عید قرار دیتے ہوئے اس دن جشن منائیں اور محفلیں منعقد کریں تو کیا یہ شرک یا بدعت ہوجائے گا؟!

5۔ مسلمانوں کی سیرت

دین اسلام کے پیرو پیغمبراکرم ﷺ کی یاد کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے لئے مدتوں سے اس قسم کی جشن منعقد کرتے آرہے ہیں اس سلسلے میں حسین بن محمد دیاربکری اپنی کتاب "تاریخ الخمیس" میں یوں لکھتے ہیں :

"ولایزال أهل الاسلام يحتفلون بشهر مولده علیه السلام و يعملون الولائم و يتصدقون ف لیالیه بأنواع الصدقات و يظهرون السرور و يزيدون فی المبرات و يعتنون بقرائة مولده الکریم و يظهر عليهم من برکاته کل فضل عمیم"[1]

---

(1) حسین بن محمد بن حسن دیاربکری ، تاریخ الخمیس جلد 1 ص 223 طبع بیروت.

دنیا کے مسلمان ہمیشہ سے پیغمبر اکرم ﷺ کی ولادت کے مہینے میں جشن کی محفلیں منعقد کرتے ہیں اور لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں اس مہینے کی راتوں میں طرح طرح کے صدقے دیتے ہیں اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور بہت زیادہ نیکیاں انجام دیتے ہیں وہ لوگ بڑے اہتمام کے ساتھ ان کی ولادت کی مناسبت سے قصیدے پڑھتے ہیں اور ان کی برکت سے ان پر ہر قسم کے فضل ظاہر ہوتے ہیں .

اس بیان سے واضح ہوجاتا ہے کہ قرآن اور مسلمانوں کی نگاہ میں اولیائے خدا کی یاد منانا ایک پسندیدہ اور جائز عمل ہے اور ساتھ ہی ساتھ اولیائے خدا کی یاد منانا اور اسی طرح یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ وہ لوگ جو اولیائے خدا کی یاد منانے کو شرک سمجھتے ہیں ان کا یہ دعوی بے بنیاد اور بے دلیل ہے اور اسی کے ساتھ اولیاء خدا کی یاد منانے کو بدعت سمجھنے والے لوگوں کا نظریہ بھی باطل ہوجاتا ہے کیونکہ یہ فعل اس وقت بدعت قرار پاتا جب اس عمل کا جائز ہونا ، خصوصی یا عمومی طور پر قرآن وسنت سے ثابت نہ ہوتا جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں کلی طور پر اس مسئلہ کا حکم موجود ہے اور مسلمانوں کی سیرت میں بھی اس کے نقوش ملتے ہیں .

اسی طرح یہ محفلیں خدا کے نیک بندوں کو خدا کی مخلوق اور اس کا محتاج سمجھتے ہوئے صرف ان کے احترام کی خاطر منعقد کی جاتی ہیں .

اس اعتبار سے یہ عمل توحید سے مکمل طور پر مطابقت رکھتا ہے. اور یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ وہ لوگ جو اولیاے خدا کی یاد منانے کو شرک سمجھتے ہیں ان کا یہ دعوی بے بنیاد اور بے دلیل ہے۔

ستائیسواں سوال

شیعہ پانچ نمازوں کو تین اوقات میں کیوں پڑھتے ہیں ؟

جواب: بہتر ہے کہ اس بحث کی وضاحت کے لئے سب سے پہلے اس بارے میں فقہاء کے نظریات بیان کردیئے جائیں :

1۔ سارے اسلامی فرقے اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ میدان" عرفات" میں ظہر کے وقت نماز ظہر اور نماز عصر کو اکھٹا اور بغیر فاصلے کے پڑھا جاسکتا ہے اسی طرح "مزدلفہ" میں عشا کے وقت نماز مغرب اور عشا کو ایک ساتھ پڑھنا جائز ہے.

2۔ حنفی فرقہ کا کہنا ہے کہ : نماز ظہر و عصر اور نماز مغرب و عشاء کو اکھٹا ایک وقت میں پڑھنا صرف دو ہی مقامات "میدان عرفات" اور "مزدلفہ" میں جائز ہے اور باقی جگہوں پر اس طرح ایک ساتھ نمازیں نہ پڑھی جائیں.

3۔ حنبلی، مالکی اور شافعی فرقوں کا کہنا ہے کہ: نماز ظہر و عصر اور نماز مغرب و عشاء کو ان گزشتہ دو مقامات کے علاوہ سفر کی حالت میں بھی ایک ساتھ ادا کیا جاسکتا ہے ان فرقوں میں سے کچھ لوگ بعض اضطراری موقعوں جیسے بارش کے وقت یا نمازی کے بیمار ہونے پر یا پھر دشمن کے ڈر سے ان نمازوں کو ساتھ میں پڑھنا جائز قرار دیتے ہیں [1]

4۔ شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نماز ظہر و عصر اور اسی طرح نماز مغرب و عشاء کے لئے ایک "خاص وقت" ہے اور ایک "مشترک وقت":

الف: نماز ظہر کا خاص وقت شرعی ظہر (زوال آفتاب) سے لیکر اتنی دیر تک ہے جس میں چار رکعت نماز پڑھی جا سکے.

ب: نماز عصر کا مخصوص وقت وہ ہے کہ جب غروب آفتاب میں اتنا وقت باقی بچا ہو کہ اس میں چار رکعت نماز پڑھی جا سکے.

ج: نماز ظہر و عصر کا مشترک وقت نماز ظہر کے مخصوص وقت کے ختم ہونے اور نماز عصر کے مخصوص وقت کے شروع ہونے تک ہے.

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان تمام مشترک اوقات میں نماز ظہر و عصر کو اکٹھا اور فاصلے کے بغیر پڑھ سکتے ہیں.

لیکن اہل سنت کہتے ہیں : کہ نماز ظہر کا مخصوص وقت، شرعی ظہر (زوال آفتاب) سے لیکر اس وقت تک ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوجائے اس وقت میں نماز عصر نہیں پڑھی جا سکتی اور اس کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک نماز عصر کا مخصوص وقت ہے اس وقت میں نماز ظہر نہیں پڑھی جا سکتی.

د: نماز مغرب کا مخصوص وقت شرعی مغرب کی ابتدا سے لے کر اس وقت تک ہے

---

(1)"الفقه على المذاهب الاربعه" كتاب الصلوة الجمع بين الصلا تين تقديمًا و تاخيرًا ، سے اقتباس

کہ جس میں تین رکعت نماز پڑھی جاسکتی ہے. اس وقت میں صرف نماز مغرب ہی پڑھی جاسکتی ہے.

ھ: نماز عشاء کا مخصوص وقت یہ ہے کہ جب آدھی رات میں صرف اتنا وقت رہ جائے کہ اس میں چار رکعت نماز پڑھی جاسکے تو اس کوتاہ وقت میں صرف نماز عشاء ہی پڑھی جائے گی۔

و: مغرب و عشاء کی نمازوں کا مشترک وقت نماز مغرب کے مخصوص وقت کے ختم ہونے سے لے کر نماز عشاء کے مخصوص وقت تک ہے.

شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس مشترک وقت کے اندر مغرب و عشاء کی نمازیں ایک ساتھ اور بغیر فاصلے کے ادا کی جاسکتی ہیں لیکن اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ نماز مغرب کا مخصوص وقت غروب آفتاب سے لے کر مغرب کی سرخی زائل ہونے تک ہے اور اس وقت میں نماز عشاء نہیں پڑھی جاسکتی پھر مغرب کی سرخی کے زائل ہونے سے لیکر آدھی رات تک نماز عشاء کا خاص وقت ہے اور اس وقت میں نماز مغرب ادا نہیں کی جاسکتی.

نتیجہ: یہ نکلتا ہے کہ شیعوں کے نظرئیے کے مطابق شرعی ظہر کا وقت آجانے پر نماز ظہر بجالانے کے بعد بلافاصلہ نماز عصر ادا کرسکتے ہیں نماز ظہر کو اس وقت نہ پڑھ کر نماز عصر کے خاص وقت تک پڑھتے ہیں ۔ اس طرح کہ نماز ظہر کو نماز عصر کے خاص وقت کے پہنچنے سے پہلے ختم کردیں اور اس کے بعد نماز عصر پڑھ لیں اس طرح نماز ظہر و عصر کو جمع کیا جاسکتا ہے اگرچہ مستحب یہ ہے کہ نماز ظہر کو زوال کے بعد ادا کیا جائے اور نماز عصر کو اس وقت ادا کیا جائے کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوجائے.

اسی طرح شرعی مغرب کے وقت نماز مغرب کے بجالانے کے بعد بلا فاصلہ نماز عشا پڑھ سکتے ہیں یا پھر اگر چاہیں تو نماز مغرب کو نماز عشاء کے خاص وقت کے قریب پڑھیں وہ اس طرح کہ نماز مغرب کو نماز عشاء کے خاص وقت کے پہنچنے سے پہلے ختم کردیں اور اس کے بعد نماز عشاء پڑھ لیں اس طرح نماز مغرب و عشاء کو ساتھ میں پڑھا جا سکتا ہے. اگرچہ مستحب یہ ہے کہ نماز مغرب کو شرعی مغرب کے بعد ادا کیا جائے اور نماز عشاء کو مغرب کی سرخی کے زائل ہوجانے کے بعد بجالایا جائے یہ شیعوں کو نظریہ تھا.

لیکن اہل سنت کہتے ہیں کہ نماز ظہر و عصریا مغرب و عشاء کو کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت میں ایک ساتھ ادا کرنا صحیح نہیں ہے اس اعتبار سے بحث اس میں ہے کہ کیا ہر جگہ اور ہر وقت میں دو نمازیں ایک ساتھ پڑھی جا سکتی ہیں ٹھیک اسی طرح جیسے میدان عرفہ اور مزدلفہ میں دو نمازوں کو ایک ساتھ ایک ہی وقت میں پڑھا جاتا ہے.

5۔ سارے مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے دو نمازیں ایک ساتھ پڑھی تھیں لیکن اس روایت کی تفسیر میں دو نظریئے پائے جاتے ہیں :

الف: شیعہ کہتے ہیں کہ اس روایت سے مراد یہ ہے کہ نماز ظہر کے ابتدائی وقت میں ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد نماز عصر کو بجالایا جا سکتا ہے اور اسی طرح نماز مغرب کے ابتدائی وقت میں مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد نماز عشا کو پڑھا جا سکتا ہے اور یہ مسئلہ کسی خاص وقت اور کسی خاص جگہ یا خاص حالات سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر جگہ اور ہر وقت میں ایک ساتھ دو نمازیں ادا کی جا سکتی ہیں .

ب:اہل سنت کہتے ہیں مذکورہ روایت سے مراد یہ ہے کہ نماز ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور نماز عصر کو اس کے اول وقت میں پڑھا جائے اور اسی طرح نماز مغرب کو اس کے آخری وقت میں اور نماز عشاء کو اس کے اول وقت میں پڑھاجائے.

اب ہم اس مسئلے کی وضاحت کے لئے ان روایات کی تحقیق کرکے یہ ثابت کریں گے کہ ان روایات میں دو نمازوں کو جمع کرنے سے وہی مراد ہے جو شیعہ کہتے ہیں .یعنی دو نمازوں کو ایک ہی نماز کے وقت میں پڑھا جاسکتا ہے اور یہ مراد نہیں ہے کہ ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں اور دوسری نماز کواس کے اول وقت میں پڑھا جائے :

روایات میں دو نمازوں کے ایک ہی ساتھ پڑھنے کاتذکرہ

1۔احمد ابن حنبل نے اپنے کتاب مسند میں جابر بن زید سے روایت کی ہے

أخبرن جابر بن زيد أنه سمع ابن عباس يقول: صلّيت مع رسول الله ﷺ ثمانيًا جميعًا، و سبعًا جميعًا قال قلت له يا أبا الشعثاء أظنّه أخّرالظهر وعجّل العصر و أخّر المغرب وعجّل العشاء قال وأنا أظن ذلک.[1]

---

(1)مسند احمد ابن حنبل، جلد1 ص 221

جابر بن زید کا بیان ہے کہ انہوں نے ابن عباس سے سنا ہے کہ وہ کہہ رہے تھے: میں نے پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ آٹھ رکعت نماز (ظہر و عصر) اور سات رکعت نماز (مغرب و عشاء) کو ایک ساتھ پڑھا ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے ابو شعثاء سے کہا: میرا یہ گمان ہے کہ رسول خدا ﷺ نے نماز ظہر کو تاخیر سے پڑھا ہے اور نماز عصر کو جلد ادا کیا ہے اسی طرح نماز مغرب کو بھی تاخیر سے پڑھا ہے اور نماز عشاء کو جلدی ادا کیا ہے ابو شعثاء نے کہا میرا بھی یہی گمان ہے.

اس روایت سے اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو ایک ساتھ اور بغیر فاصلے کے پڑھا تھا.

2۔ احمد ابن حنبل نے عبداللہ بن شقیق سے درج ذیل روایت نقل کی ہے:

"خطبنا ابن عباس یومًا بعد العصر حتی غربت الشمس و بدت النجوم و علق الناس ینادونه الصلاة و ف القوم رجل من بن تمیم فجعل یقول:الصلاة الصلاة : قال فغضب قال أتعلّمن بالسنة؟شهدت رسول الله ﷺ جمع بین الظهر والعصروالمغرب والعشاء . قال عبدالله فوجدت ف نفس من ذلک شیئًا فلقیت أباهریرة فسألته فوافقه"[1]

---

(1) مسند احمد، جلد1 ص 251.

ایک دن عصر کے بعد ابن عباس نے ہمارے درمیان خطبہ دیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا اور ستارے چمکنے لگے اور لوگ نماز کی ندائیں دینے لگے ان میں سے بنی تمیم قبیلے کا ایک شخص"نماز" "نماز" کہنے لگا ابن عباس نے غصے میں کہا کیا تم مجھے سنت پیغمبر کی تعلیم دینا چاہتے ہو؟ میں نے خود رسول خدا ﷺ کو ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو ایک ساتھ پڑھتے دیکھا ہے عبداللہ نے کہا اس مسئلے سے متعلق میرے ذہن میں شک پیدا ہوگیا تو میں ابوہریرہ کے پاس گیا اور ان سے سوال کیا تو انہوں نے ابن عباس کی بات کی تائید کی .

اس حدیث میں دو صحابی "عبداللہ ابن عباس" اور "ابوہریرہ" اس حقیقت کی گواہی دے رہے ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ایک ساتھ پڑھا ہے اور ابن عباس نے بھی پیغمبر اکرم ﷺ کے اس عمل کی پیروی کی ہے.

3۔مالک بن انس کا اپنی کتاب "موطأ" میں بیان ہے:

صلّیٰ رسول الله ﷺ الظهر والعصر جميعًا والمغرب والعشاء جميعًا فی غير خوف ولا سفر[1]

---

(1)موطأ مالک ، کتاب الصلوة طبع 3 (بیروت) ص 125 حدیث 178 صحیح مسلم جلد 2 ص 151 طبع بیروت ، باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر.

رسول خدا ﷺ نے ظہر وعصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھی تھیں جبکہ نہ تو کسی قسم کا خوف تھا اور نہ ہی آپ ﷺ سفر میں تھے.

4۔مالک بن انس نے معاذبن جبل سے یہ روایت نقل کی ہے :

فکان رسول اللہ ﷺ یجمع بین الظهر والعصر والمغرب والعشائ[1]

رسول خدا ﷺ نماز ظہر عصر اور نماز مغرب و عشاء کو ایک ساتھ بجالاتے تھے.

5۔ مالک بن انس نے نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سےیوں روایت نقل کی ہے :

کان رسول اللہ ﷺ اِذا عجّل به السیر یجمع بین المغرب والعشائ.[2]

جس وقت رسول خدا ﷺ کو کوئی مسافت جلدی طے کرنی ہوتی تو وہ مغرب و عشاء کی نمازوں کوایک ساتھ بجالاتے تھے.

6۔مالک ابن انس نے ابوہریرہ سےیوں روایت نقل کی ہے :

---

(1)موطا مالک کتاب الصلوۃ صفحہ 134 حدیث 176 طبع 3 بیروت سال طبع 1403ھ. صحیح مسلم طبع مصر جز2 صفحہ 152.

(2) موطأ مالک کتاب الصلوۃ ص125 حدیث 177.

ان رسو ل اللہ ﷺ کان یجمع بین الظھر والعصر فی سفرہ اِلی تبوک[1]

پیغمبر اکرم ﷺ نے تبوک کے راستے میں ظہر و عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں تھیں.

7۔مالک نے اپنی کتاب موطأ میں نافع سے یوں روایت نقل کی ہے:

ان عبداللہ بن عمر کان اِذا جمع الأمراء بین المغرب والعشاء فی المطر جمع معھم [2]

جب بھی بارش کے دوران حکام مغرب اور عشاء کو اکھٹا پڑھتے تھے تو عبداللہ بن عمر بھی ان کے ساتھ اپنی نمازوں کو ایک ساتھ پڑھ لیا کرتے تھے.

8۔مالک ابن انس نے علی بن حسین سے یوں نقل کیا ہے:

کان رسول اللہ ﷺ اِذا أراد أن یسیر یومہ جمع بین الظھر والعصر و اِذا أراد أن یسیر لیلہ جمع بین المغرب والعشاء [3]

---

(1)موطأ مالک کتاب الصلوۃ ص 124 حدیث 175.

(2) موطأ مالک کتاب الصلوۃ ص 125 حدیث 179.

(3)موطأ مالک، کتاب الصلوۃ ص 125 حدیث 181.

پیغمبر اکرم ﷺ جب دن میں سفر کرنا چاہتے تھے تو ظہر اور عصر کی نمازوں کو اکٹھا ادا کرلیا کرتے تھے اور جب رات میں سفر کرنا ہوتا تھا تو مغرب اور عشاء کی نمازوں کو ایک ساتھ پڑھتے تھے.

9۔ محمد زرقانی نے موطأ کی شرح میں ابن شعثا سے یوں روایت نقل کی ہے

اِنّ ابن عباس صلّیٰ بالبصرة الظهر والعصر ليس بينهما شیء والمغرب والعشاء ليس بينهما شء[1]

بے شک ابن عباس نے بصرہ میں نماز ظہر و عصر کو ایک ساتھ اور بغیر فاصلے کے پڑھا تھا اور اسی طرح نماز مغرب و عشاء کو بھی اکٹھا اور بغیر فاصلے کے بجالائے تھے

10۔ زرقانی نے طبرانی سے اور انھوںنے ابن مسعود سے نقل کیا ہے:

جمع النبّی ﷺ بين الظهر والعصر و بين المغرب والعشاء فقيل له فی ذلک فقال : صنعت هذا لئلا تحرج أمت[2]

پیغمبر اکرم ﷺ نے جب نماز ظہر و عصر اور نماز مغرب و عشاء کو ایک ساتھ پڑھا تو آنحضرت ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا

---

(1) موطأ پر زرقانی کی شرح، جز اول باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر والسفر ص 294 طبع مصر.

(2) گزشتہ حوالہ.

جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس عمل کو اس لئے انجام دیا ہے تاکہ میری امت مشقت میں نہ پڑ جائے.

11۔ مسلم بن حجاج نے ابوزبیر سے اور انہوں نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباس سے یوں روایت نقل کی ہے:

صلّیٰ رسول اللہ ﷺ بین الظهر والعصرجمیعًا بالمدینة فی غیر خوف ولاسفر[1]

پیغمبر اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں بغیر خوف و سفر کے نماز ظہر و عصر کو ایک ساتھ پڑھا تھا.

اس کے بعد ابن عباس نے پیغمبر اکرم ﷺ کے اس عمل کے بارے میں کہا کہ:

آنحضرت چاہتے تھے کہ ان کی امت میں سے کوئی بھی شخص مشقت میں نہ پڑنے پائے[2]

12۔ مسلم نے اپنی کتاب صحیح میں سعید بن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباس سے یوں روایت نقل کی ہے:

جمع رسول اللہ ﷺ بین الظهر والعصر والمغرب والعشاء فی المدینة من غیر خوف

---

(1) صحیح مسلم جزء 2 ص 151 باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر، طبع مصر.

(2) یہ مطلب گزشتہ کتاب میں اسی حدیث کے ذیل میں مذکور ہے.

ولامطر.[1]

پیغمبر اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں بغیر خوف اور بارش کے نماز ظہر و عصر اور نماز مغرب و عشاء کو اکٹھا پڑھا تھا.

اس وقت سعید ابن جبیر نے ابن عباس سے پوچھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے اس طرح کیوں کیا؟ تو ابن عباس نے کہا آنحضرت ﷺ اپنی امت کو زحمت میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے.[2]

13۔ ابوعبداللہ بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں اس سلسلے میں "باب تأخیر الظہر اِلی العصر" کے نام سے ایک مستقل باب قرار دیا ہے.[3]

یہ خود عنوان اس بات کا بہترین گواہ ہے کہ نماز ظہر میں تاخیر کرکے اسے نماز عصر کے وقت میں اکٹھا بجالایا جاسکتا ہے اس کے بعد بخاری نے اسی مذکورہ باب میں درج ذیل روایت نقل کی ہے:

انّ النبیّ ﷺ صلّیٰ بالمدینة سبعًا و ثمانیًا الظهر والعصر والمغرب والعشاء[4]

---

(1) گزشتہ حوالہ، صفحہ نمبر 152.

(2) یہ مطلب گزشتہ کتاب کے صفحہ ص 152 میں اسی حدیث کے ذیل میں مذکور ہے.

(3) صحیح بخاری جز اول ص 110 کتاب الصلوۃ باب تاخیر الظہر الی العصر طبع مصر نسخہ امیریہ 1314ھ.

(4) گزشتہ حوالہ.

بہ تحقیق پیغمبر اکرم ﷺ نے مدینہ میں سات رکعت (نماز مغرب و عشائ) اور آٹھ رکعت (نماز ظہر و عصر)پڑھی ہیں ۔

اس روایت سے اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ جس طرح نماز ظہر میں تاخیر کرکے اسے نماز عصر کے وقت میں نماز عصر کے ساتھ بجالایا جاسکتا ہے ،اسی طرح سیاق حدیث میں موجود قرینہ اور پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت سے سمجھ میں آتاہے کہ نماز مغرب میں بھی دیر کرکے اسے نماز عشاء کے وقت میں نماز عشاء کے ساتھ بجالایا جاسکتا ہے ۔

14۔بخاری نے اپنی کتاب صحیح میں ایک اور مقام پر لکھاہے :

قال ابن عمر و أبو أیوب و ابن عباس رض الله عنهم صلّیٰ النبّی ﷺ المغرب والعشاء [1]

عبد اللہ بن عمر و ابوایوب انصاری اور عبداللہ بن عباس نے کہا ہے کہ :پیغمبر خدا ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازوں کو ایک ساتھ پڑھا ہے۔

بخاری اس حدیث سے مسلم طورپر یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے نماز مغرب و عشاء کو ایک ساتھ پڑھا تھا کیونکہ یہ تو یقینی ہے کہ بخاری ہرگز اس حدیث کے ذریعے حضور ﷺ کے نمازی ہونے کو ثابت نہیں کرنا چاہتے تھے ۔

---

(1) صحیح بخاری جز اول کتاب الصلوۃ باب ذکر العشاء ص 113 طبع مصر 1314ھ.

15۔ مسلم بن حجاج نے اپنی کتاب صحیح میں بیان کیا ہے :

قال رجل لابن عباس الصلاۃ فسکت ثم قال الصلاۃ فسکت ثم قال الصلاۃ فسکت ثم قال:لا أم لک أتعلمنا بالصلٰوۃ و کنّا نجمع بین الصلا تین علیٰ عہد رسول اللہ ﷺ. [1]

ایک شخص نے ابن عباس سے کہا : "نماز" تو ابن عباس نے کچھ نہ کہا اس شخص نے پھر کہا "نماز" پھر بھی ابن عباس نے اسے کوئی جواب نہ دیا تو اس شخص نے پھر کہا "نماز" لیکن ابن عباس نے پھر کوئی جواب نہیں دیا جب اس شخص نے چوتھی مرتبہ کہا: "نماز" تب ابن عباس بولے او بے اصل!تم ہمیں نماز کی تعلیم دینا چاہتے ہو ؟ جبکہ ہم پیغمبر خدا ﷺ کے زمانے میں دو نمازوں کو ایک ساتھ بجالایا کرتے تھے.

16۔ مسلم نے یوں روایت نقل کی ہے :

اِنّ رسول اللہ ﷺ جمع بین الصلاۃ فی سفرۃ سافرھا ف غزوۃ تبوک فجمع بین الظھر والعصر والمغرب والعشاء . قال سعید فقلت: لابن عباس:

---

(1) صحیح مسلم جز 2 ص 153 باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر

ما حمله علی ذلک ؟ قال أراد أن لایحرج أُمته[1]

پیغمبر خدا ﷺ نے غزوہ تبوک کے سفر میں نمازوں کو جمع کر کے نماز ظہر و عصر اور مغرب عشاء کو ایک ساتھ پڑھا تھا سعید بن جبیر نے کہا کہ میں نے ابن عباس سے آنحضرت ﷺ کے اس عمل کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا آنحضرت چاہتے تھے کہ ان کی امت مشقت میں نہ پڑے.

17۔ مسلم ابن حجاج نے معاذ سے اس طرح نقل کیا ہے :

خرجنا مع رسول اللّٰہ ﷺ فی غزوۃ تبوک فکان یُصلّ الظهر والعصر جمیعًا والمغرب و العشاء جمیعًا.[2]

ہم پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کی طرف نکلے تو آنحضرت ﷺ نے نماز ظہر و عصر اور نماز مغرب وعشاء کو ایک ساتھ پڑھا .

18۔مالک ابن انس کا اپنی کتاب "الموطأ" میں بیان ہے کہ :

عن ابن شهاب أنّه سأل سالم بن عبداللّٰہ : هل یجمع بین الظهر والعصر فی السفر؟ فقال نعم

---

(1) صحیح مسلم جز2 ص 151 طبع مصر

(2)گزشتہ حوالہ

لابأس بذلک ، ألم تر الیٰ الصلاة الناس بعرفة ؟[1]

ابن شہاب نے سالم بن عبد اللہ سے سوال کیا کہ کیا حالت سفر میں نماز ظہر و عصر کو ایک ساتھ بجالایا جاسکتا تھا ؟ سالم بن عبداللہ نے جواب دیا ہاں اس کام میں کوئی حرج نہیں ہے کیا تم نے عرفہ کے دن لوگوںکو نماز پڑھتے نہیں دیکھا ہے؟

یہاں پر اس نکتے کا ذکر ضروری ہے کہ عرفہ کے دن نماز ظہر و عصر کو نماز ظہر کے وقت میں بجالانے کو سب مسلمان جائز سمجھتے ہیں اس مقام پر سالم بن عبداللہ نے کہا تھا کہ جیسے لوگ عرفہ کے دن دو نمازوں کو اکٹھا پڑھتے ہیں اسی طرح عام دنوں میں بھی دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھا جاسکتا ہے.

19۔ متقی ہندی اپنی کتاب "کنزالعمال" میں لکھتے ہیں :

قال عبداللہ: جمع لنا رسول اللہ ﷺ مقیمًا غیر مسافر بین الظھر والعصر والمغرب والعشاء فقال رجل لابن عمر : لم تری النبیّ ﷺ فعل ذلک ؟ قال : لِأن لایحرج اُمته ان جمع رجل.[2]

---

(1) موطأ مالک ص 125 حدیث 180 طبع 3 ، بیروت.

(2) کنزالعمال کتاب الصلوة ، باب الرابع فی صلاة المسافر باب جمع جلد 8 ص 246 طبع 1 حلب 1391ھ.

عبد اللہ ابن عمر نے کہا: کہ پیغمبر خدا ﷺ نے بغیر سفر کے نماز ظہر وعصر اور مغرب و عشاء کو اکٹھا پڑھا تھا ایک شخص نے ابن عمر سے سوال کیا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے ایسا کیوں کیا ؟ تو ابن عمر نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ اپنی امت کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے تاکہ اگر کوئی شخص چاہے تو دو نمازوں کو ایک ساتھ بجالائے.

20۔ اسی طرح کنزالعمال میں یہ روایت بھی موجود ہے :

عن جابر أنّ النبّی ﷺ جمع بین الظهر والعصر بأذان و اِقامتین[1]

نبی اکرم ﷺ نے ظہر وعصر کی نمازوں کو اکٹھا ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھا تھا .

21۔ کنزالعمال میں درج ذیل روایت بھی موجود ہے:

عن جابر أنّ رسول الله ﷺ غربت له الشمس بمكة فجمع بینهما بسرف[2]

جابر بن عبداللہ سے منقول ہے کہ مکہ میں ایک دفعہ جب آفتاب غروب ہوگیا تو رسول خدا ﷺ نے "سرف"[3] کے مقام پر نماز مغرب و عشاء کو اکٹھا پڑھا تھا.

---

(1) کنزالعمال کتاب الصلوۃ، باب الرابع فی صلوۃ المسافر باب جمع جلد 8 ص 247 طبع 1 حلب.

(2) گزشتہ حوالہ.

(3) سرف مکہ سے نو میل کے فاصلے پر واقع مقام کا نام ہے (یہ بات کنزالعمال سے اسی حدیث کے ذیل سے ماخوذ ہے)

22۔کنزالعمال میں ابن عباس سےیوں منقول ہے:

جمع رسول الله ﷺ بين الظهر والعصر والمغرب والعشاء بالمدينة فی غير سفر ولا مطر قال : قلت لابن عباس : لم تراه فعل ذلک؟ قال: أراد التوسعة علیٰ أمته(1)

پیغمبر خدا ﷺ نے مدینہ میں بغیر سفر اور بارش کے نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو اکٹھا پڑھا تھا. راوی کہتا ہے کہ میں نے ابن عباس سے پوچھا آنحضرت ﷺ کے اس عمل کے سلسلے میں آپ کا کیا نظریہ ہے؟ تو ابن عباس نے جواب دیا آنحضرت ﷺ اپنی امت کے لئے سہولت اور آسانی قرار دینا چاہتے تھے.

نتیجہ:

اب ہم گزشتہ روایات کی روشنی میں دو نمازوں کو جمع کرنے کے سلسلے میں شیعوں کے نظریہ کے صحیح ہونے پر چند دلیلیں پیش کریں گے:

1۔دونمازوں کو ایک وقت میں ایک ساتھ بجالانے کی اجازت نمازیوں کی سہولت اور انہیں مشقت سے بچانے کے لئے دی گئی ہے.

متعدد روایات میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر نماز ظہر و عصر یا مغرب و

---

(1)کنزالعمال ،کتاب الصلوۃ، الباب الرابع، باب جمع جلد8.

عشاء کو ایک وقت میں بجالانا جائز نہ ہوتا تو یہ امر مسلمانوں کے لئے زحمت و مشقت کا باعث بنتا اسی وجہ سے پیغمبر اسلام ﷺ نے مسلمانوں کی سہولت اور آسانی کے لئے دو نمازوں کو ایک وقت میں بجالانے کو جائز قرار دیا ہے (اس سلسلے میں دسویں ، سولہویں ، انیسویں ، اور بائیسویں حدیث کا مطالعہ فرمائیے)

واضح ہے کہ اگر ان روایات سے یہ مراد ہو کہ نماز ظہر کو اسکے آخری وقت (جب ہر چیز کا سایہ اسکے برابر ہو جائے) تک تاخیر کر کے پڑھا جائے اور نماز عصر کو اسکے اول وقت میں بجالایا جائے اس طرح ہر دو نمازیں ایک ساتھ مگر اپنے اوقات ہی میں پڑھی جائیں (اہل سنت حضرات ان روایات سے یہی مراد لیتے ہیں) تو ایسے کام میں کسی طرح کی سہولت نہیں ہوگی بلکہ یہ کام مزید مشقت کا باعث بنے گا جبکہ دو نمازوں کو ایک ساتھ بجالانے کی اجازت کا یہ مقصد تھا کہ نمازیوںکیلئے سہولت ہو.

اس بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ گزشتہ روایات سے مراد یہ ہے کہ دو نمازوں کو ان کے مشترک وقت کے ہر حصے میں بجالایا جاسکتا ہے اب نماز گزار کو اختیار ہے کہ وہ مشترک وقت کے ابتدائی حصے میں نماز پڑھے یا اس کے آخری حصے میں اور ان روایات سے یہ مراد نہیں ہے کہ ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں اور دوسری کو اس کے اول وقت میں ادا کیا جائے.

2۔ روز عرفہ دو نمازوں کو اکھٹا پڑھنے کے حکم سے باقی دنوں میں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے تمام اسلامی فرقوں کے نزدیک عرفہ کے دن ظہر و عصر کی نمازوں کو ایک وقت میں بجالانا جائز ہے [1]

مزیدبراں گزشتہ روایات میں سے بعض اس بات کی گواہ ہیں کہ میدان عرفات کی طرح باقی مقامات پر بھی نمازوں کو اکھٹا بجالایا جاسکتا ہے اب اس اعتبار سے روز عرفہ اور باقی عام دنوں کے درمیان یا عرفات کی سرزمین اور باقی عام جگہوں میں کوئی فرق نہیں ہے اس سلسلہ میں اٹھارویں حدیث کا مطالعہ فرمائیں.

لہذا جس طرح مسلمانوں کے متفقہ نظرئیے کے مطابق عرفہ میں ظہر و عصر کی نمازوں کو ظہر کے وقت پر ایک ساتھ پڑھا جاتا ہے اسی طرح عرفہ کے علاوہ بھی ان نمازوں کو ظہر کے وقت اکھٹا پڑھنا بالکل صحیح ہے.

3۔ سفر کی حالت میں دو نمازوں کو اکھٹا پڑھنے کے حکم سے غیر سفر میں بھی نمازوں کے ایک ساتھ بجالانے کا جواز معلوم ہوتا ہے. ایک طرف سے حنبلی، مالکی، اور شافعی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حالت سفر میں دو نمازوں کو اکھٹا بجالایا جاسکتا ہے اور دوسری طرف گزشتہ روایات صراحت کے ساتھ کہہ رہی ہیں کہ اس اعتبار سے سفر اور غیر سفر میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ پیغمبراکرم ﷺ نے دونوں حالتوں میں نمازوں کو اکھٹا پڑھا تھا.

(اس سلسلے میں تیسری، گیارہویں، تیرہویں، اور بائیسویں حدیث کا مطالعہ فرمائیں)

اس بنیاد پر (شیعوں کے نظرئیے کے مطابق) جس طرح حالت سفر میں دو

---

(1) الفقہ علی المذاھب الاربعہ، کتاب الصلوۃ، الجمع بین الصلوتین تقدیما و تاخیرا.

نمازوں کو اکھٹا بجالانا صحیح ہے اسی طرح عام حالات میں بھی دو نمازوں کو اکھٹا پڑھا جاسکتا ہے.

4۔ اضطراری حالت میں دو نمازوں کے اکھٹا پڑھنے کے حکم سے عام حالت میں بھی نمازوں کے اکھٹا پڑھنے کا جواز معلوم ہوجاتا ہے. اہل سنت کی صحیح اور مسند کتابوں میں سے بہت سی روایات اس حقیقت کی گواہی دیتی ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ اور ان کے اصحاب نے چند اضطراری موقعوں پر جیسے بارش کے وقت یا دشمن کے خوف سے یا بیماری کی حالت میں نمازوں کو ایک ساتھ اور ایک ہی وقت میں (ٹھیک اسی طرح جیسے شیعہ کہتے ہیں) پڑھا تھا اور اسی وجہ سے مختلف اسلامی فرقوں کے فقہاء نے بعض اضطراری حالات میں دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنا جائز قرار دیا ہے جب کہ گزشتہ روایات اس بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کررہی ہیں کہ اس سلسلے میں اضطراری اور عام حالت میں کوئی فرق نہیں ہے. اور پیغمبر اکرم ﷺ نے دونوں حالتوں میں اپنی نمازوں کو ایک ساتھ پڑھا ہے.

اس سلسلے میں تیسری، گیارہویں، اور بارہویں، اور بائیسویں روایت کا مطالعہ کیجئے

5۔ اصحاب پیغمبر ﷺ کی روش سے دو نمازوں کے ایک ساتھ بجالانے کا جواز معلوم ہوتا ہے.

گزشتہ روایات میں یہ نکتہ موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بہت سے اصحاب دو نمازوں کو ایک وقت میں بجالاتے تھے جیسے کہ عبداللہ ابن عباس نے نماز مغرب میں اتنی دیر کردی تھی کہ اندھیرا چھا گیا تھا اور آسمان پر ستارے چمکنے لگے تھے اور لوگوں نے نماز کی صدائیں دینا شروع کردی تھیں مگر ابن عباس نے ان کی طرف توجہ نہیں کی تھی سرانجام جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تب انہوں نے نماز مغرب و عشاء پڑھی تھی. اور اعتراض کرنے والوں کو یہ جواب دیا تھا: میں نے پیغمبر اسلام ﷺ کو اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے نیز ابوہریرہ نے بھی ابن عباس کی اس بات کی تائید کی تھی (اس سلسلے میں دوسری، ساتویں، نویں، اورپندہوریں روایت کا مطالعہ فرمائیں)

گزشتہ روایات کی روشنی میں اب اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے صحابی ابن عباس نے شیعوں کی طرح دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھا تھا.

6۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت سے دو نمازوں کو ایک ساتھ بجالانے کا جواز معلوم ہوتا ہے. اکیسویں حدیث کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ نماز مغرب کے وقت پیغمبر اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرماتھے لیکن آنحضرت ﷺ نے نماز مغرب میں تاخیر کی تھی اور "سرف" نامی علاقہ (جو مکہ سے نو میل کے فاصلے پر واقع تھا) میں پہنچ کر نماز مغرب و عشاء کو ایک ساتھ پڑھا تھا جب کہ یہ واضح ہے کہ اگر آنحضرت مکہ سے مغرب کے اول وقت میں چلے ہوں گے تو اس زمانے کی کم رفتار سواری کے ذریعے سفر کرنے کی وجہ سے یقینا رات کا کافی حصہ گزر جانے کے بعد ہی سرف کے مقام تک پہنچے ہوں گے اسی وجہ سے حضور ﷺ نے مغرب و عشاء کی نمازوں کو ایک ساتھ پڑھا تھا اہل سنت حضرات کی صحیح اور مسند کتابوں سے منقول گزشتہ روایات شیعوں کے نظرئیے (ظہر و عصر یا مغرب و عشاء کی نمازوں کو ہر وقت، ہر جگہ اور ہر طرح کی صورتحال میں ایک ساتھ پڑھنا جائز ہے) کے صحیح ہونے کی گواہی دیتی ہیں.

اٹھائیسواں سوال

شیعوں کی فقہ کے ماخذ کون سے ہیں ؟

جواب: شیعہ ، قرآن مجید اور سنت نبوی کی پیروی کرتے ہوئے احکام شرعی کو درج ذیل چار بنیادی مآخذ سے حاصل کرتے ہیں :

1۔ کتاب خدا

2۔ سنت

3۔ اجماع

4۔ عقل

مذکورہ ماخذو منابع میں سے قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ فقہ شیعہ کے بنیادی ترین ماخذ ہیں اب ہم یہاں ان دونوں کے سلسلے میں اختصار کیساتھ گفتگو کرینگے :

کتاب خدا؛ قرآن مجید

مکتب تشیع کے پیرو قرآن مجید کو اپنی فقہ کا محکم ترین منبع اور احکام الٰہی، کی شناخت کا معیار سمجھتے ہیں کیونکہ شیعوں کے ائمہ ٪ نے فقہی احکام کے حصول کے لئے قرآن مجید کو ایک محکم مرجع قرار دیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ کسی بھی نظریئے کو قبول کرنے سے پہلے اسے قرآن مجید پر پرکھا جائے اگر وہ نظریہ قرآن سے مطابقت رکھتا ہو تو اسے قبول کرلیا جائے ورنہ اس نظریئے کو نہ مانا جائے .

اس سلسلے میں امام صادق فرماتے ہیں :

وکل حدیث لایوافق کتاب اللہ فھو زخرف.[1]

ہر وہ کلام جو کتاب خدا سے مطابقت نہ رکھتا ہو وہ باطل ہے.

اسی طرح امام صادق نے رسول خدا ﷺ سے یوں نقل کیا ہے:

أیّھا الناس ماجائکم عن یوافق کتاب اللہ فأنا قلتہ وماجاء کم یخالف کتاب اللہ فلم أقلہ[2]

اے لوگو! ہر وہ کلام جو میری طرف سے تم تک پہنچے اگر وہ کتاب خدا کے مطابق ہو تو وہ میرا قول ہے لیکن اگر تم تک پہنچنے والا کلام کتاب خدا کا مخالف ہو تو وہ میرا قول نہیں ہے.

ان دو حدیثوں سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ شیعوں کے ائمہ ؑ کی نگاہ میں احکام شرعی کو حاصل کرنے کے لئے کتاب خدا محکم ترین ماخذ شمار ہوتی ہے.

---

(1)اصول کافی، جلد1 ، کتاب فضل العلم ، باب الاخذ بالسنۃ و شواہد الکتاب ، حدیث 3.

(2)گذشتہ حوالہ حدیث 5.

سنت

حضرت رسول اکرم ﷺ کا قول و فعل اور کسی کام کے سلسلے میں

آنحضرت ﷺ کی تائید کو سنت کہتے ہیں اسے شیعوں کی فقہ کا دوسرا ماخذ شمار کیا جاتا ہے سنت نبوی ﷺ کو نقل کرنے والے ائمہ معصومین٪ ہیں جو آنحضرت ﷺ کے علوم کے خزینہ دار ہیں .

البتہ نبی اکرم ﷺ کے چند دوسرے طریقوں سے نقل ہونے والے ارشادات کو بھی شیعہ قبول کرتے ہیں یہاں پر ضروری ہے کہ ہم دو چیزوں کے متعلق بحث کریں :

سنت نبوی ﷺ سے تمسک کی دلیلیں: شیعوں کے ائمہ ٪ نے اپنی پیروی کرنے والوں کو جس طرح قرآن مجید پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح انہوں نے سنت نبوی کی پیروی کرنے کی بھی تاکید کی ہے اور ہمیشہ اپنے ارشادات میں ان دونوں سے تمسک اختیار کرنے کا حکم دیا ہے . امام صادق فرماتے ہیں :

اِذا ورد علیکم حدیث فوجدتم له شاهدًا من کتاب الله أو من قول رسول ﷺ واِلا فالذی جائکم به أولیٰ به.[1]

جب کوئی کلام تم تک پہنچے تو اگر تمہیں کتاب خدا یا سنت نبوی ﷺ سے اس کی تائید حاصل ہوجائے تو اسے قبول کرلینا ورنہ وہ کلام

بیان کرنے والے ہی کو مبارک ہو .

---

(1)اصول کافی جلد1 کتاب فضل العلم ، باب الاخذ بالسنہ و شواهد الکتاب حدیث 2.

اسی طرح امام محمدباقر نے ایک جامع الشرائط فقیہ کے لئے سنت نبی اکرم سے تمسک کو اہم ترین شرط قرار دیتے ہوئے یوں فرمایا ہے:

اِنّ الفقیہ حق الفقیہ الزاھد ف الدنیا والراغب فی الآخرۃ المتمسک بسنّۃ النبیّ ﷺ [1]

بے شک حقیقی فقیہ وہ ہے جو دنیا سے رغبت نہ رکھتا ہو اور آخرت کا اشتیاق رکھتا ہو، نیز سنت نبوی ﷺ سے تمسک رکھنے والا ہو.

ائمہ معصومین ٪ نے اس حد تک سنت نبوی ﷺ کی تاکید فرمائی ہے کہ وہ کتاب خدا اور سنت نبوی کی مخالفت کو کفر کی اساس قرار دیتے ہیں اس سلسلے میں امام صادق یوں فرماتے ہیں :

مَن خالف کتاب اللہ وسنّۃ محمّد ﷺ فقد کفر.[2]

جس شخص نے کتاب خدا اور سنت محمدی ﷺ کی مخالفت کی وہ کافر ہوگیا .

اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ شیعہ مسلمانوں کے بقیہ فرقوں کی بہ نسبت نبی اکرم ﷺ کی سنت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اسی طرح بعض لوگوں کا یہ نظریہ بھی باطل ہوجاتا ہے کہ شیعہ نبی اکرم ﷺ کی سنت سے بیگانہ اور دور ہیں .

---

(1) گذشتہ حوالہ حدیث 8

(2) گذشتہ حوالہ حدیث 6

احادیث اہل بیت سے تمسک کے دلائل

عترت پیغمبرکی احادیث کے سلسلے میں شیعوں کے نظریہ کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ ہم ذیل کے دو موضوعات پر گفتگو کریں:

الف: ائمہ معصومین کی احادیث کی حقیقت.

ب:اہل بیت رسول ﷺ سے تمسک کے اہم اور ضروری ہونے کے دلائل. اب ہم یہاں ان دو موضوعات کے سلسلے میں مختصر طور پر تحقیقی گفتگو کریں گے:

عترت رسول ﷺ کی احادیث کی حقیقت

شیعوںکے نکتہ نظر سے فقط خداوند حکیم ہی انسانوں کے لئے شریعت قرار دینے اور قانون وضع کرنے کا حق رکھتا ہے اور اس کی طرف سے یہ شریعت اور قوانین پیغمبراکرم ﷺ کے ذریعہ لوگوں تک پہنچتے ہیں. واضح ہے کہ نبی اکرم ﷺ خدا اور انسانوں کے درمیان وحی کے ذریعہ حاصل ہونے والی شریعت کے پہنچانے کے لئے واسطے کی ذمہ داری کو نبھاتے ہیں اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے اگر شیعہ اہل بیت ؑ کی احادیث کو اپنی فقہ کے ماخذ میں شمار کرتے ہیں تو ہرگز اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اہل بیت ؑ کی احادیث سنت نبوی ﷺ کے مقابلے میں کوئی مستقل حیثیت رکھتی ہیں بلکہ احادیث اہل بیت ؑ اس وجہ سے معتبر ہیں کہ وہ سنت نبوی ﷺ کو بیان کرتی ہیں.

اس اعتبار سے ائمہ معصومین ٪ کبھی بھی اپنی طرف سے کوئی بات نہیں فرماتے بلکہ جو کچھ وہ فرماتے ہیں وہ در حقیقت سنت پیغمبر ﷺ ہی کی وضاحت ہوتی ہے یہاں پر ہم اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ائمہ معصومین ٪ کی چند روایات پیش کریں گے :

1۔ امام صادق نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں یوں فرمایاہے:

مهما أجبتک فیه بشیء فهو عن رسول الله ﷺ لسنا نقول برأینا من شئ.[1]

اس سلسلے میں جو جواب میں نے تمہیں دیا ہے وہ رسول خدا ﷺ کی طرف سے ہے ہم کبھی بھی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے :اور ایک مقام پریوں فرماتے ہیں :

حدیث حدیث أب ، و حدیث أب حدیث جد و حدیث جد حدیث الحسین وحدیث الحسین حدیث الحسن و حدیث الحسن حدیث أمیرالمؤمنین ، و حدیث أمیر المؤمنین حدیث رسول الله ﷺ و حدیث رسول الله قول الله عزّ وجلّ.[2]

میری حدیث میرے والد (امام باقر) کی حدیث ہے ،

---

(1)جامع الاحادیث الشیعہ جلد1 ص 129

(2) گذشتہ حوالہ ص 127

اور میرے والد کی حدیث میرے دادا (امام زین العابدین) کی حدیث ہے اور میرے دادا کی حدیث امام حسین کی حدیث ہے اور امام حسین کی حدیث امام حسن کی حدیث ہے اور امام حسن کی حدیث امیر المومنین کی حدیث ہے اور امیر المومنین کی حدیث رسول خدا ﷺ کی حدیث ہے اور رسول خدا ﷺ کی حدیث خداوند متعال کا قول ہے.

2۔ امام محمد باقر نے جابر سے یوں فرمایا تھا :

حدثنی أبی عن جد رسول اللہ ﷺ عن جبرائیل . عن اللہ عزّوجلّ و کلما أحدّثک بهذا الأسناد.[1]

میرے پدربزرگوار نے میرے دادا رسول خدا ﷺ سے اور انہوں نے جبرئیل سے اور انہوں نے خداوندعالم سے روایت کی ہے اور جو کچھ میں تمہارے لئے بیان کرتا ہوں ان سب کا سلسلہ سندیہی ہوتا ہے.

---

(1) گذشتہ حوالہ ص128

اہل بیت پیغمبر ﷺ سے تمسک کے اہم اور ضروری ہونے کے دلائل

شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کے محدثین اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے بھی میراث کے طور پر اپنی امت کے لئے دو قیمتی چیزیں چھوڑی ہیں اور تمام مسلمانوں کو ان کی پیروی کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک کتاب خدا ہے اور دوسرے آنحضرت ﷺ کے اہل بیت ہیں یہاں ہم نمونے کے طور پر ان روایات میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں :

1۔ ترمذی نے اپنی کتاب صحیح میں جابر بن عبداللہ انصاری سے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے :

یاأیّها النّاس اِنّ قد ترکت فیکم ما اِن أخذتم به لن تضلّوا : کتاب اللّه و عترتی أهل بیتی.[1]

اے لوگو! میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں اگر تم ان سے متمسک رہے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ کتاب خدا اور میری عترت ہیں.

2۔ اسی طرح ترمذی نے اپنی کتاب صحیح میں یہ حدیث نقل کی ہے :

قال رسول اللّه ﷺ اِنیّ تارک فیکم ما اِن تمسکتم به لن تضلّوا بعد أحدهما أعظم من الآخر : کتاب اللّه حبل ممدود من السماء اِلیٰ الأرض و عترتی أهل بیتی ولن یفترقا حتیٰ یردا

---

(1) صحیح ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب اہل بیت النبی جلد5 ص 662 حدیث 3786 طبع بیروت.

علّی الحوض فانظروا کیف تخلفون فیهما.[1]

میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم ان سے متمسک رہوگے ہرگمز گمراہ نہ ہوگے. ان دو چیزوں میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے، کتاب خدا ایک ایسی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک آویزاں ہے اور دوسرے میرے اہل بیت ہیں اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آملیں لہذا یہ دیکھنا کہ تم میرے بعد ان کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرتے ہو.

3۔ مسلم بن حجاج نے اپنی کتاب صحیح میں پیغمبراکرم ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے:

ألا أیّها النّاس فإنّما أنا بشر یوشک أن یأت رسول ربّ فأجیب و أنا تارک فیکم ثقلین أولهما کتاب الله فیه الهدیٰ والنور فخدوا بکتاب الله واستمسکوا به فحثّ علیٰ کتاب الله و رغّب فیه ثم قال : أهل بیت أذکرکم الله ف أهل بیت أذکرکم الله ف أهل بیت أذکرکم الله ف أهل بیت.[2]

---

(1) گذشتہ حوالہ ص 663 حدیث 3788.

(2) صحیح مسلم جز 7 فضائل علی ابن ابی طالب ص 122 اور 123.

اے لوگو!بے شک میں ایک بشر ہونؔا ور قریب ہے کہ میرے پروردگار کا بھیجا ہوا نمائندہ آئے اور میں اسکی دعوت قبول کروں اور میں تمہارے درمیان دو وزنی چیزیں چھوڑے جارہاہوں ایک کتاب خدا ہے جس میں ہدایت اور نور ہے کتاب خدا کو لے لو اور اسے تھامے رکھو اور پھر پیغمبر اسلام ﷺ نے کتاب خدا پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی اور اس کی جانب رغبت دلائی اور اس کے بعدیوں فرمایا اوردوسرے میرے اہل بیت ہیں اور میں تمہیں اپنے اہل بیت کے سلسلے میں وصیت و تاکید کرتا ہوں اور اس جملے کو تین مرتبہ دہرایا.

4۔بعض محدثین نے پیغمبراسلام ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے:

اِنّی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و أهل بیتی و اِنّهما لن یفترقا حتیٰ یردا علیّ الحوض[1]

بے شک! میں تمہارے درمیان دووزنی چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک کتاب خدا اوردوسرے میرے اہل بیت ہیں اور یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آملیں.

---

(1)مستدرک حاکم جز3 ص148 ، الصواعق المحرقہ باب 11 فصل اول ص149 اس مضمون کے قریب بعض

درج ذیل کتابوں میں بھی روایات موجود ہیں.مسنداحمد جز5 ص182اور 183۔کنز العمال ،جز اول باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص 44.

یہاں پر اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ اس سلسلے میں اتنی زیادہ حدیثیں موجود ہیں کہ ان سب کا اس مختصر کتاب میں ذکر کرنا ممکن نہیں ہے. علامہ میر حامد حسین نے اس روایت کے سلسلۂ سند کو اپنی چھ جلدوں والی کتاب (عبقات الانوار) میں جمع کر کے پیش کیا ہے.

گذشتہ احادیث کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ کتاب خدا اور سنت نبوی ﷺ کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ کے اہل بیت ﷺ سے تمسک اور ان کی پیروی بھی اسلام کے ضروریات میں سے ہے.

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عترت پیغمبر ﷺ سے مراد کون افراد ہیں کہ جن کی پیروی کو نبی اکرم ﷺ نے سب مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے ؟

اس مسئلے کی وضاحت کے لئے ہم احادیث کی روشنی میں عترت نبی ﷺ کے سلسلے میں تحقیق پیش کرنا چاہیں گے:

اہل بیت پیغمبر ﷺ کون ہیں ؟

گذشتہ روایات سے واضح ہوجاتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے سب مسلمانوں کو اپنی عترت کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور کتاب خدا کی طرح انہیں بھی لوگوں کا مرجع قرار دیا ہے اور صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ "قرآن اور عترت ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے" اس بنیاد پر اہل بیت پیغمبر ﷺ وہ ہیں کہ جنہیں آپ ﷺ نے قرآن مجید کا ہم پلہ قرار دیا ہے اور جو معصوم ہونے کے ساتھ ساتھ معارف اسلامی سے مکمل طور پر آگاہی رکھتے ہیں. کیونکہ اگر وہ ان صفات کے مالک نہ ہوں تو قرآن مجید سے جدا ہو جائیں گے جبکہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا ہے کہ: قرآن اور عترت ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کریں. اس طرح یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ اہل بیت ؑ اور ان کی اعلی صفات کی صحیح طور پر شناخت ایک ضروری امر ہے اب ہم اس سلسلے میں مسلمانوں کے درمیان بزرگ سمجھے جانے والے محدثین سے منقول روایات کی روشنی میں چند واضح دلیلیں پیش کریں گے:

1۔ مسلم بن حجاج نے حدیث ثقلین کا ذکر کرنے کے بعد یوں کہا ہے کہ:

"یزید بن حیان نے زید بن ارقم سے پوچھا اہل بیت پیغمبر ﷺ کون ہیں ؟ کیا وہ پیغمبر اکرم ﷺ کی بیویاں ہیں ؟" زید بن ارقم نے جواب دیا :

لا و أیم الله اِنّ المرأہ تکون مع الرجل العصر من الدھر ثم یطلّقھا فترجع اِلیٰ أبیھا و قومھا أھل بیتہ أصلہ و عصبتہ الذین حرموا الصدقة بعدہ.[1]

نہیں خدا کی قسم عورت جب ایک مدت تک کسی مرد کے ساتھ رہتی ہے اور پھر وہ مرد اسے طلاق دے دیتا ہے تو وہ عورت اپنے باپ اور رشتے داروں کے پاس واپس چلی جاتی ہے اہل بیت

---

(1) صحیح مسلم جز 7 باب فضائل علی بن ابی طالب ،ص 132 طبع مصر.

پیغمبر ﷺ سے مراد وہ افراد ہیں جو پیغمبراکرم ﷺ کے اصلی اور قریبی رشتہ دار ہیں کہ جن پر آنحضرت ﷺ کے بعد صدقہ حرام ہے.

یہ قول بخوبی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ وہ عترت پیغمبر ﷺ جن سے تمسک قرآن کی پیروی کی طرح واجب ہے ان سے ہرگز آنحضرت ﷺ کی بیویاں مراد نہیں ہیں بلکہ اہل بیت پیغمبر ﷺ سے وہ افراد مراد ہیں جو آنحضرت ﷺ سے جسمانی اور معنوی رشتہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے اندر چند خاص صلاحتیں بھی پائی جاتی ہوں. تبھی تو وہ قرآن مجید کی طرح مسلمانوں کا مرجع قرار پاسکتے ہیں.

2۔پیغمبراکرم ﷺ نے صرف اہل بیت ؑ کے اوصاف بیان کرنے پر ہی اکتفاء نہیں کی تھی بلکہ حضور اکرم ﷺ نے ان کی تعداد (جو کہ بارہ ہے) کو بھی صاف لفظوں میں بیان کردیا تھا :

مسلم نے جابر بن سمرہ سے نقل کیا ہے:

سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: لایزال الِاسلام عزیزًا اِلیٰ اثن عشر خلیفة ثم قال کلمة لم أفهمها فقلت لأب ماقال ؟ فقال: کلهم من قریش.[1]

میں نے پیغمبرخدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اسلام کو بارہ خلفاء کے ذریعہ عزت حاصل ہوگی اور پھر پیغمبراکرم ﷺ نے کوئی لفظ

---

(1) صحیح مسلم جلد 6 ص 3 طبع مصر.

کہا جسے میں نہیں سمجھ سکا لہذا میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے کیا فرمایا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ سب خلفاء قریش میں سے ہوں گے.

مسلم بن حجاج نے اسی طرح رسول خدا ﷺ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے:

لایزال أمر الناس ماضیًا ماولیهم اثنا عشر رجلاً.[1]

لوگوں کے امور اس وقت تک بہترین انداز میں گزریں گے جب تک ان کے بارہ والی رہیں گے.

یہ دو روایتیں شیعوں کے اس عقیدے کی واضح گواہ ہیں "کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد عالم اسلام کے بارہ امام ہی لوگوں کے حقیقی پیشوا ہیں" کیونکہ اسلام میں ایسے بارہ خلفاء جو پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد بلافاصلہ مسلمانوں کے مرجع اور عزت اسلام کا سبب بنے ہوں، اہل بیت کے بارہ اماموں کے علاوہ نہیں ملتے کیونکہ اگر اہل سنت کے درمیان خلفاء راشدین کہے جانے والے چار خلفاء سے صرف نظر کرلیا جائے پھر بھی بنی امیہ اور بنی عباس کے حکمرانوں کی تاریخ اس بات کی بخوبی گواہی دیتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے برے کردار کی وجہ سے اسلام اور مسلمین کی رسوائی کا سبب بنتے رہے ہیں اس اعتبار سے وہ (اہل بیت) کہ جنہیں پیغمبر اسلام ﷺ نے قرآن مجید کا ہم پلہ اور مسلمانوں کا مرجع

---

(1) گذشتہ حوالہ.

قرار دیا ہے وہ عترت نبی ﷺ کے وہی بارہ امام ہیں جو سنت نبی ﷺ کے محافظ اور آنحضرت ﷺ کے علوم کے خزینہ دار رہے ہیں.

3۔ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کی نگاہ میں بھی مسلمانوں کے ائمہ کو بنی ہاشم سے ہونا چاہیے یہ بات شیعوں کے اس نظریئے (کہ اہل بیت کی شناخت حاصل کرنا ضروری ہے) پر ایک اور واضح دلیل ہے. حضرت امام علی فرماتے ہیں :

اِنّ الأئمۃ من قریش غرسوا ف ھذا البطن من بن ہاشم لا تصلح علیٰ مَن سواھم ولا تصلح الولاۃ من غیرھم۔[1]

یادرکھو قریش کے سارے امام جناب ہاشم کی اسی کشت زار میں قرار دیئے گئے ہیں اور یہ امامت نہ ان کے علاوہ کسی کو زیب دیتی ہے اور نہ ان سے باہر کوئی اس کا اہل ہوسکتا ہے.

نتیجہ:

گزشتہ روایات کی روشنی میں دو حقیقتیں آشکار ہوجاتی ہیں :

1۔ قرآن مجید کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اہل بیت ؑ سے تمسک اور ان کی پیروی بھی واجب ہے.

2۔ پیغمبر اسلام کے اہل بیت جو قرآن مجید کے ہم پلہ اور مسلمانوں کے مرجع ہیں مندرجہ ذیل خصوصیات کے مالک ہیں :

---

(1) نہج البلاغہ (صبحی صالح) خطبہ 144.

الف:وہ سب قبیلۂ قریش اور بنی ہاشم کے خاندان میں سے ہیں.

ب:وہ سب پیغمبر اکرم ﷺ کے ایسے رشتہ دار ہیں جن پر صدقہ حرام ہے.

ج:وہ سب عصمت کے درجے پر فائزہیں ورنہ وہ عملی طور پر کتاب خدا سے جدا ہوجائیں گے جبکہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ دونوں(قرآن و عترت) ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آملیں گے.

د:ان کی تعداد بارہ ہے جو یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے امام ہوں گے.

ھ:پیغمبر اکرم ﷺ کے یہ بارہ خلفاء اسلام کی عزت و شوکت کا سبب بنینگے.

گذشتہ روایات میں موجود اوصاف کو مدنظر رکھنے سے یہ بات آفتاب کی مانند روشن ہوجاتی ہے کہ وہ اہل بیت جن کی پیروی کا پیغمبر اکرم ﷺ نے حکم فرمایا ہے ان سے آنحضرت ﷺ کی مراد وہی بارہ ائمہ٪ ہیں جن کی پیروی کرنے اور احکام فقہ میں ان سے تمسک اختیار کرنے کو شیعہ اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے ہیں ۔

انتیسواں سوال

کیا ابوطالب ایمان کے ساتھ اس دنیا سے گئے ہیں کہ آپ ان کی زیارت کے لئے جاتے ہیں ؟

جواب: حضرت علی کے والد ماجد، رسول ﷺ کے چچا جناب ابوطالب بن عبدالمطلب شیعوں کے عقیدے کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی رسالت پر مکمل ایمان رکھتے تھے اور وہ صدر اسلام کی تمام سختیوں اور مشکلات میں آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے حامی و ناصر تھے.

خاندان جناب ابوطالب

جناب ابوطالب نے ایسے گھر میں آنکھ کھولی جس کی سرپرستی پیغمبراکرم ﷺ کے جد امجد دین ابراہیمی کے پیرو جناب عبدالمطلب کے ہاتھوں میں تھی جزیرۂ عرب کی تاریخ میں معمولی غور و فکر سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جناب عبدالمطلب اپنی زندگی کے سخت ترین حالات اور پر خطر مراحل کے دوران بھی خدا پرستی اور آئین توحید کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوئے تھے.

جس وقت ابرہہ کا لشکر ہاتھیوں پر بیٹھ کر خانہ کعبہ کو ویران کرنے کے قصد سے مکہ کی طرف آرہا تھا تو اس نے راستے میں جناب عبدالمطلب کے اونٹوں کو پکڑلیا

تھا اور جس وقت جناب عبدالمطلب اپنے اونٹوں کے مطالبے کے لئے ابرھہ کے پاس پہنچے تو اس نے بڑے ہی تعجب کے ساتھ ان سے پوچھا کہ آپ نے مجھ سے اپنے اونٹوں کا مطالبہ تو کیا لیکن مجھ سے یہاں سے واپس جانے اور خانہ کعبہ کو ویران نہ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا ؟ اس وقت جناب عبدالمطلب نے اپنے ایمان و اعتقاد پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے یہ جواب دیا تھا :

أنا ربّ الاِبل وللبیت ربّ یمنعه (یحمیه).[1]

میں اونٹوں کا مالک ہوںاور اس گھر (خانہ کعبہ) کا بھی مالک موجود ہے جو خود اس کی حفاظت و حمایت کرے گا .

اس کے بعدجناب عبدالمطلب مکہ کی طرف روانہ ہوگئے . پھر مکہ میں خانہ کعبہ کے دروازے کی کنڈی پکڑ کریوں کہا :

یا ربّ لاأرجو لهم سواکا

یاربّ فامنع منهم حماکا

اِن عدوالبیت مَن عاداکا

امنعهم أن یُخرّبوا فناکا[2]

---

(1)کامل ابن اثیر جلد 1 ص 261 طبع مصر ، 1348ھ.

(2)گذشتہ حوالہ.

اے پروردگار میں تیرے سوا کسی سے امید نہیں رکھتا. پروردگارا!تو خود ان دشمنوں کے مقابلے میں اپنے حرم کی حفاظت فرما.
اس گھر کے دشمن تجھ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں انہیں روک دے تاکہ تیرے گھر کو ویران نہ کرسکیں.

اس قسم کے بلند پایہ اشعار جناب عبدالمطلب کے مومن اور خداپرست ہونے کے واضح گواہ ہیں اسی وجہ سے یعقوبی نے اپنی تاریخ کی کتاب میں جناب عبدالمطلب کے متعلق یوں تحریر کیا ہے:

رفض عبادة الأصنام و وحّد الله عزّ وجلّ.[1]

عبدالمطلب نے بتوں کی پوجا سے انکار کیا تھا اور آپ خدا کے موحد بندے تھے.

آئیے اب یہ دیکھا جائے کہ اس مومن اور خداپرست شخصیت کی نگاہ میں ان کے بیٹے ابوطالب کی کیا منزلت تھی؟

عبدالمطلب کی نگاہ میں ابوطالب

تاریخ شاہد ہے کہ بعض روشن ضمیر نجومیوں نے جناب عبدالمطلب کو پیغمبراکرم ﷺ کے روشن مستقبل اور ان کی نبوت سے باخبر کردیا تھا جس وقت "سیف بن ذی یزان"

---

(1)تاریخ یعقوبی جلد2 ص 7 طبع مصر.

نے حکومت حبشہ کی باگ ڈور سنبھالی تو جناب عبدالمطلب ایک وفد کے ہمراہ حبشہ تشریف لے گئے اس وقت "سیف بن ذی یزان" نے ایک اہم خطاب کے بعد جناب عبدالمطلب کو یہ خوشخبری دی "آپ کے خاندان میں ایک عظیم القدر نبی ﷺ تشریف لا چکے ہیں" اس کے بعد اس نے پیغمبر اکرم ﷺ کے خصوصیات یوں بیان کئے:

اسمه مُحَمَّد ﷺ یموت أبوه و أمه و یکفله جدّه و عمّه.[1]

انکا نام محمد ﷺ ہے انکے ماں باپ کا (جلد ہی) انتقال ہوجائے گا اور ان کی سرپرستی ان کے دادا اور چچا کریں گے.

اس وقت اس نے پیغمبر اکرم ﷺ کے صفات بیان کرتے ہوئے یہ جملے بھی کہے تھے:

یعبد الرّحمٰن و یدحض الشیطان و یخمدالنیران و یُکسّر الأوثان قوله فصل و حکمه عدل و یأمر بالمعروف و یفعله و ینهیٰ عن المنکر و یبطله.[2]

وہ خدائے رحمن کی عبادت کریں گے، شیطان کے دام میں نہیں آئیں گے، جہنم کی آگ کو بجھائیں گے اور بتوں کو توڑیں

---

(1) سیرہ حلبی جلد1 طبع مصر ص 136، 137، اور طبع بیروت ص 114۔115.

(2) گذشتہ حوالہ.

گے .ان کا قول حق و باطل میں جدائی کا میزان ہوگا وہ دوسروں کو نیکی کا حکم دیں گے اور خود بھی اس پر عمل پیرا ہوں گے وہ دوسروں کو برائی سے روکیں گے اور اسے باطل قرار دیں گے .

اور پھر اس نے جناب عبدالمطلب سے کہا :

اِنک لجده یا عبدالمطلب غیر کذب[1]

اے عبدالمطلب اس میں کوئی جھوٹ نہیں کہ آپ ان کے دادا ہیں .

جناب عبدالمطلب نے جب یہ خوشخبری سنی تو سجدہ شکر بجالائے اور پھر اس بابرکت مولود کے احوال کو یوں بیان کیا:

اِنّه کان لی ابن و کنت به معجبًا وعلیه رقیقاً واِ نّ زوجته کریمة من کرائم قوم آمنة بنت وهب بن عبدمناف ابن زهره فجاء ت بغلام فسمّیته محمدًا مات أبوه و أمه و کفلته أنا و عمّه (یعنی أباطالب).[2]

میرا ایک بیٹا تھا جس سے مجھے بہت زیادہ محبت تھی میں نے اس کی شادی اپنے شرافتمند رشتہ داروں میں سے ایک نیک سیرت خاتون "آمنہ" بنت وہب بن عبدمناف سے کی تھی اس

---

(1)گذشتہ حوالہ.

(2)سیرہ حلبی جلد1 ص 137 طبع مصر.

خاتون کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا ہے میں نے اس کا نام محمد رکھا ہے اس کے ماں اور باپ دونوں کا انتقال ہوچکا ہے اس کی سرپرستی میں نے اور اس کےچچا ابو طالب نے اپنی ذمہ لی ہے .

جناب عبدالمطلب کے اس کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اس یتیم بچے

کے روشن مستقبل سے اچھی طرح باخبر تھے اس لئے انہوں نے اس بچے کو اپنے سب سے عزیز بیٹے جناب ابوطالب کی سرپرستی میں دیا تھا اور اس عظیم سعادت کو کسی اور کے نصیب میں نہیں آنے دیا تھا اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ جناب ابوطالب اپنے مومن اور موحد والد کی نگاہ میں ایمان کے اس درجہ پر فائز تھے کہ صرف وہی پیغمبر اکرم ﷺ کی سرپرستی کی لیاقت رکھتے تھے.[1]

اب ہم مزید وضاحت کے لئے جناب ابوطالب کے ایمان پرچند واضح دلیلیں پیش کرتے ہیں :

---

(1)زیادہ وضاحت کے لئے ان کتابوں "سیرہ حلبی" جلد1 ص 134 طبع مصر اور "سیرہ ابن ہشام "جلد1 ص189 ، طبع بیروت اور "ابوطالب مومن قریش" ص 109 طبع بیروت اور" طبقات کبریٰ"جلد 1 ص117 طبع بیروت کا مطالعہ مفید ہوگا.

جناب ابوطالب کے مومن ہونے کی دلیلیں

1۔جناب ابوطالب کے علمی اور ادبی آثار

مسلمان مورخین اور علماء نے جناب ابوطالب کے بہت سے بلیغ قصیدے اور متعدد قسم کے علمی و ادبی آثار نقل کئے ہیں جو ان کے محکم ایمان کی دلیل ہیں یہاں ہم ان کثیر آثار میں سے بعض کا تذکرہ کرتے ہیں :

ليعلم خيار الناس أن محمدًا

نبي كموسىٰ والمسيح ابن مريم

اتانا بهدٍ مثل ما أتيا به

فكل بأمر الله يهد و يعصم(1)

شریف لوگ یہ جان لیں کہ موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم کی طرح محمد بھی نبی خدا ہیں وہ ہمارے لئے اسی طرح کا پیغام ہدایت لائے ہیں جیسا کہ یہ دو نبی لائے تھے پس سارے نبی ، خدا کے حکم سے ہدایت کرتے ہیں اور گناہوں سے روکتے ہیں .

ألم تعلموا أنّا وجدنا مُحَّداً

رسولاً كموسىٰ خط فى أول الكتب

و أن عليه فى العباد محبة

ولا حيف فيمن خصه الله بالحب(2)

---

(1)"کتاب الحجۃ"ص 57 اور اسی کے مثل مستدرک جلد 2 ص 623 طبع بیروت میں بھی موجود ہے.

(2)تاریخ ابن کثیر جلد 1 ص 42 ، اور شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید) جلد14 ص72 (طبع دوم)

کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے موسیٰ کی طرح محمد(ص) کو بھی رسول پایا ہے جن کا ذکر پہلی (آسمانی) کتابوں میں بھی آیا ہے ؟ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں اور جس شخص کے دل کو خداوندعالم نے انکی محبت کیلئے چن لیا ہے اس پر افسوس نہ کیا جائے

لقد أکرم اللہ النبیّ محمّداً

فأکرم خلق اللہ فی الناس أحمد

و شقّ له من اسمه لیجله

فذوالعرش محمود وهذا مُحَمَّد [1]

خداوندعالم نے اپنے نبی محمد ﷺ کو مکرم قرار دیا ہے اس اعتبار سے وہ مخلوقات خدا میں سب سے زیادہ مکرم ہیں پروردگار نے ان کے نام کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے پس صاحب عرش محمود ہے اور یہ محمد ﷺ ہیں .

واللہ لن یصلوا اِلیک بجمعهم

حتی أوسد ف التراب دفینا

فاصدع بأمرک ما علیک غضاضة

وابشر بذلک و قر منک عیونا

و دعوتن و علمت أنک ناصح

ولقد دعوت وکنت ثم أمینا

ولقد علمت بأنّ دین مُحَمَّد

من خیر أدیان البریّة دینا[2]

---

(1)شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد14 ص 78 طبع دوم، تاریخ ابن عساکر جلد 1 ص 275،تاریخ ابن کثیر جلد 1 صفحہ 266، تاریخ الخمیس جلد1 ص 254.

(2)خزانہ الادب بغدادی جلد1 ص 261 اورتاریخ ابن کثیر جلد 3 ص 42 ، اور شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید) جلد 14 ص 55 (طبع دوم) اور فتح الباری جلد7 ص 153.155. اور الاصابہ جلد4 ص 116 (طبع مصر) 1358ھ. اور دیوان ابی طالب ص 12.

(اے رسول خدا ﷺ)خدا کی قسم ہرگز آپ ﷺ کے دشمن آپ ﷺ تک نہ پہنچ پائیں گے یہاں تک کہ میں خاک تلے دفن ہوجاؤں پس آپ کو جس چیز کا حکم ملا ہے بے خوف و خطر اس کا اظہار کریں اور بشارت دے کر آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرمائیں آپ ﷺ نے مجھے اپنے دین کی طرف دعوت دی ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ ﷺ میرے خیر خواہ ہیں بے شک آپ ﷺ اپنی دعوت میں امانت دار ہیں میں نے یہ جان لیا ہے کہ محمد ﷺ کا دین دنیا کے سارے دینوں سے بہتر ہے.

يا شاهد الله عليّ فاشهد

اِنّ علیٰ دين النبّ أحمد

من ضل فی الدين فنّ مهتد[1]

اے خدا کے مجھ پر گواہ آپ گواہی دیجئے کہ میں احمد، رسول خدا کے دین پر ہوں کوئی اپنے دین میں گمراہ ہو تو ہو، میں تو ہدایت یافتہ ہوں.

و:جناب ابوطالب نے اپنی بابرکت زندگی کے آخری ایام میں قریش کے سرداروں کو جمع کر کے ان اشعار کے ذریعہ انہیں پیغمبر اکرم ﷺ کی مکمل طور پر حمایت کرنے کی دعوت دی تھی:

أوص بنصر الخير أربعة

ابن عليًا و شيخ القوم عباسا

و حمزة الأسد الحام حقيقه

وجعفر أن تذودوا دونه الناسا

كونوا فداءً لكم أم وماولدت

فی نصر أحمد دون الناس اتراسا

---

(1)شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید) جلد 14 ص78 اور دیوان ابوطالب ص 75.

میں چار لوگوں کو سب سے افضل نبی کی مدد کرنے کی تاکید کرتا ہوں. اپنے بیٹے علی، اپنے قبیلے کے بزرگ عباس، شیر خدا اور مدافع پیغمبر ﷺ حمزہ اور (اپنے بیٹے) جعفر کو نصیحت کرتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے ہمیشہ ناصر و مددگار رہیں اور تم لوگ (میری ماں اور ان کی تمام اولادیں تم سب پر قربان ہوں) احمد کی مدد کے لئے لوگوں کے سامنے سپر بن جانا.[1]

ہر روشن ضمیر اور انصاف پسند شخص ان بلیغ ادبی آثار(جو صراحت کے ساتھ جناب ابوطالب کے خدا اور رسول پر ایمان کامل کی گواہی دے رہے ہیں) کو دیکھ کر شیعوں کے جناب ابوطالب کے ایمان کے سلسلے میں نظریئے کو صحیح مان لے گا اور چند سیاسی اہداف کی خاطر بعض مصنفین کی طرف سے مومن قریش، عم پیغمبر ﷺ اور صدر اسلام کے سخت حالات میں شریعت کے محافظ جناب ابوطالب پر لگائی جانے والی تہمتوں پر افسوس کرے گا.

2۔جناب ابوطالب کا پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ نیک سلوک ان کے ایمان کی علامت ہے.

تمام مشہور مسلمان مورخین نے جناب ابوطالب کی پیغمبر اسلام ﷺ کے سلسلے میں

---

(1)متشابہات القرآن، (ابن شہر آشوب) سورہ حج کی اس آیت (ولینصرن اللہ من ینصرہ)کی تفسیر سے ماخوذ.

فداکاریوں کو نقل کیا ہے اور یہ چیز جناب ابوطالب کے محکم ایمان کی واضح دلیل ہے کہ جناب ابوطالب نے اسلام کی حمایت اور پیغمبر ﷺ خدا کی حفاظت کے لئے آنحضرت ﷺ کے ساتھ تین سال تک اپنا گھر چھوڑ کر "شعب ابی طالب" میں زندگی گزاری تھی اور انہوں نے اپنی اس زندگی کو قبیلہ قریش کی سرداری پر ترجیح دی تھی اور مسلمانوں کی اقتصادی پابندی کے خاتمے تک انتہائی سخت حالات ہونے کے باوجود آنحضرت ﷺ کے ہمراہ رہ کر تمام مشکلات کو برداشت کیا تھا.[1]

اس سے بڑھ کر یہ کہ جناب ابوطالب نے اپنے عزیز ترین فرزند حضرت علی کو بھی حضور اکرم ﷺ کی نصرت کرنے اور صدر اسلام کی مشکلات میں آنحضرت ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑنے کا حکم دیا تھا.

ابن ابی الحدید معتزلی نے نہج البلاغہ کی شرح میں جناب ابوطالب کے ان جملوں کو نقل کیا ہے جو انہوں نے حضرت علی سے کہے تھے ملاحظہ ہو:

"پیغمبر خدا ﷺ تمہیں صرف نیکی کی طرف دعوت دیتے ہیں لہذا کبھی ان کا ساتھ نہ چھوڑنا"[2]

---

(1) اس سلسلے میں مزید وضاحت کے لئے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ فرمائیں: 1۔ سیرہ حلبی جلد 1 ص 134 (طبع دوم مصر) 2۔تاریخ الخمیس جلد 1 ص 253 اور 254 (طبع 3 بیروت) 3۔ سیرہ ابن ہشام جلد 1 ص 189 طبع بیروت.4۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد 14 ص 52 طبع دوم) 5۔ (تاریخ یعقوبی اول جلد 2 طبع نجف) 6۔(الاصابہ جلد 4 ص 115 طبع مصر) 7۔ طبقات کبریٰ جلد 1 ص 119 طبع بیروت 1380ھ.

(2) شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید) جلد 14 ص 53 طبع دوم.

اس اعتبار سے جناب ابوطالب کی وہ خدمات جو آپ نے پیغمبر خدا ﷺ کے سلسلے میں انجام دی ہیں اور آپ کی اسلام کے دفاع میں بے لوث فداکاریاں آپ کے ایمان کی واضح گواہ ہیں .

اسی بنیاد پر عالم اسلام کے بزرگ دانشور (ابن ابی الحدید) نے پیغمبر خدا ﷺ کی حفاظت اور دین اسلام کی خدمت کے سلسلے میں جناب ابوطالب کے زندہ کردار سے متعلق یہ اشعار کہے ہیں :

ولولا أبوطالب و ابنه

لما مثّل الدين شخصًا فقاما

فذاک بمکة آویٰ و حام

وهذا بيثرب جسّ الحماما

وما ضرّمجد أب طالب

جهول لغ أو بصير تعامیٰ[1]

اگر ابوطالب اور ان کے بیٹے(حضرت علی)نہ ہوتے تو ہرگز دین اسلام کو استحکام حاصل نہ ہوتا اابوطالب نے مکہ میں پیغمبراکرم ﷺ کو پناہ دی تھی اور ان کی حمایت کی تھی اور ان کے بیٹے نے یثرب میں (پیغمبر اسلام ﷺ کی نصرت کے لئے)اپنی جان کی بازیاں لگائی تھیں.

3۔ ابوطالب کی وصیت ان کے ایمان کی گواہ ہے

عالم اسلام کے مشہور مورخین جیسے "حلبی شافعی"نے اپنی کتاب سیرۂ حلبی میں اور

(1)شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید)جلد14 ص 84 طبع 3.

"محمد دیار بکری" نے اپنی کتاب تاریخ الخمیس میں لکھا ہے کہ جناب ابوطالب نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے قبیلے سے پیغمبر اسلام ﷺ کی نصرت کے سلسلے میں یہ وصیت کی تھی:

یا معشر قریش کونوا له ولاة، ولحزبه حماة ، واللّٰه

لایسلک أحد منکم سبیله اِلاّ رشد،ولا یأخذ أحد

بهدیه اِلاّ سعد، ولوکان لنفس مدة ولأجل تأخر لکففت

عنه الهزائز، ولدفعت عنه الدواه، ثم هلک [1]

اے قبیلہ قریش!تم سب مصطفی کے محب اور ان کے ماننے والوں کے حامی و ناصر بن جاؤ خدا کی قسم تم میں سے جو شخص بھی ان کے نقش قدم پر چلے گا وہ ضرور ہدایت پائے گا اور جو کوئی ان سے ہدایت حاصل کرے گا وہ کامیاب ہوجائے گا اگر میری زندگی باقی رہتی اور موت نے مجھے مہلت دی ہوتی تو میں یقینا فتنوں اور سختیوں سے آنحضرت ﷺ کی محافظت کرتا اور پھر یہ آخری کلمات کہتے کہتے جناب ابوطالب نے داعی اجل کو لبیک کہا تھا.

4۔ پیغمبر

خدا ﷺ کی ابوطالب سے محبت ان کے ایمان کی دلیل ہے

پیغمبر خدا ﷺ نے مختلف موقعوں پر اپنے چچا ابوطالب کا احترام و اکرام کیا ہے اور ان

---

(1)تاریخ الخمیس جلد1 ص 300 اور 301، طبع بیروت اور سیرہ حلبی جلد1ص 391(طبع مصر)

سے اپنی محبت کا اظہار فرمایا ہے یہاں ہم ان میں سے صرف دو کا تذکرہ کرتے ہیں :

الف :بعض مورخین نے اپنی کتابوں میں پیغمبر اسلام ﷺ کی درج ذیل روایت نقل کی ہے جس میں آپ ﷺ نے جناب عقیل بن ابی طالب سے مخاطب ہو کر یوں فرمایا ہے:

ان احبک حبّین حبًّا لقرابتک منّ و حبًّا لما کنت أعلم من حبّ عم اِیّا ک[1]

میں تم سے دوہری محبت کرتا ہوں ایک تمہاری مجھ سے قریبی رشتے داری کی وجہ سے ہے اور دوسری محبت اس وجہ سے ہے کہ میں جانتا ہوں ابو طالب تم سے بہت محبت کرتے تھے .

ب: حلبی نے اپنی کتاب سیرت میں پیغمبر خدا ﷺ کی یہ روایت نقل کی ہے جس میں آپ ﷺ نے جناب ابو طالب کی تعریف فرمائی ہے :

ما نالت قریش منّ شیئًا أکرهه (أ أشد الکراهة) حتی مات أبوطالب.[2]

جب تک ابو طالب زندہ رہے مجھے قریش کسی بھی قسم کی تکلیف نہیں پہنچا سکے۔

رسول خدا ﷺ کا ابو طالب سے محبت کرنا اور ان کی خدمات کو سراہنا جناب ابو طالب

---

(1) تاریخ الخمیس جلد1 ص163 (طبع بیروت) الاستیعاب جلد2 ص509

(2) سیرہ حلبی جلد1 ص391 (طبع مصر).

کے محکم ایمان کی واضح دلیل ہے کیونکہ پیغمبر خدا ﷺ صرف مومنین ہی سے محبت رکھتے تھے اور مشرکین و کفار سے سخت گیری کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:

(مُحَمَّد رَسُولُ اللهِ وَالَّذِینَ مَعَهُ اَشِدَّائُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَائُ بَیْنَهُمْ...)[1]

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لئے سخت ہیں اور آپس میں انتہائی مہربان ہیں.

ایک اورجگہ فرماتا ہے:

(لاَتَجِدُ قَوْمًا یُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ یُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ کَانُوا آبَائَهُمْ وْاَ بْنَائَهُمْ وْ ا ِخْوَانَهُمْ وْ عَشِیرَتَهُمْ اُوْلٰئِک کَتَبَ فِی قُلُوبِهِمْ الْاِیمَانَ...)[2]

آپ کو کبھی ایسے افراد نہیں ملیں گے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے (بھی) ہوں لیکن اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوںسے محبت رکھتے ہوں چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے.

ان آیات کا جب پیغمبر اکرم ﷺ کی ابوطالب سے محبت اور مختلف موقعوں پران کی ستائش سے موازنہ کیا جائے تو اس بات میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ جناب ابوطالب ایمان کے اعلی ترین درجہ پر فائز تھے.

---

(1)سورہ فتح آیت:29.

(2)سورہ مجادلہ آیت: 22.

5۔ حضرت علی اور اصحاب رسول ﷺ کی گواہی

حضرت امیرالمومنین اور اصحاب پیغمبر ﷺ نے جناب ابو طالب کے محکم ایمان کی گواہی دی ہے ملاحظہ ہو:

الف: جس وقت حضرت امیرالمومنین علی کی خدمت میں ایک شخص نے جناب ابو طالب پر ایک ناروا تہمت لگائی تو حضرت علی کے چہرے پر غصے کے آثار نمایاں ہوگئے اور آپ نے فرمایا:

مَه ، فضّ الله فاک والذ بعث محمّدًا بالحقّ نبیًّا لو شفع أب ف کل مذنب علیٰ وجه الأرض لشفعه الله.[1]

چپ رہ! اللہ تیرے منہ کو توڑ دے مجھے قسم ہے اس خدا کی جس نے محمد ﷺ کو برحق نبی قرار دیا ہے اگر میرے والد (ابو طالب) روئے زمین کے سارے گناہ گاروں کی شفاعت کرنا چاہیں تو بھی پروردگار ان کی شفاعت کو قبول کرے گا.

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

---

(1) الحجۃ ص 24.

كان واللہ ابوطالب عبدمناف بن عبدالمطلب مؤمنًا مسلمًا يكتم اِيمانه مخافة علىٰ بن هاشم أن تنابذها قريش.[1]

خدا کی قسم ابوطالب عبدمناف بن عبدالمطلب مومن اور مسلمان تھے اور اپنے ایمان کو قریش کے کفار سے مخفی رکھتے تھے تاکہ وہ بنی ہاشم کو ستا نہ سکیں.

حضرت علیؑ کے یہ ارشادات نہ صرف جناب ابوطالب کے ایمان کی تائید کرتے ہیں بلکہ ان کو ایسے اولیائے خدا کی صف میں کھڑا کردیتے ہیں جو پروردگار عالم کے اذن سے شفاعت کا حق رکھتے ہیں .

ب: جناب ابوذر غفاری نے جناب ابوطالب کے بارے میں کہا ہے:

والله الذى لااِله اِلا هو ما مات ابوطالبٍ حتىٰ أسلم.[2]

قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ابوطالب اسلام لانے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں .

---

(1) الحجة ص 24.

(2) شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید) جلد 14 ص 71 (طبع دوم).

ج: عباس بن عبد المطلب اور ابوبکر بن ابی قحافہ سے بھی بہت سی سندوں کے ساتھ یہ روایت نقل ہوئی ہے:

اِنّ أباطالب مامات حتیٰ قال: لااله الا الله محمّد رسول الله.[1]

بے شک ابوطالب "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہنے کے بعد دنیا سے رخصت ہوئے ہیں.

6۔ ابوطالب اہل بیت کی نگاہ میں

ائمہ معصومین ٪ نے جناب ابوطالب کے ایمان کو صاف لفظوں میں بیان فرمایا ہے اور مختلف موقعوںپر پیغمبر اسلام ﷺ کے اس فداکار کا دفاع کیا ہے یہاں پر ہم ان میں سے صرف دو نمونوں کا تذکرہ کرتے ہیں:

الف: امام محمد باقر فرماتے ہیں:

لووضع اِيمان أبى طالبٍ فى كفة ميزان و اِيمان هذا الخلق فى الكفة الأخرى لرجح اِيمانه.[2]

اگر ابوطالب کے ایمان کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور تمام مخلوقات کے ایمان کو اس کے دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے

تو ایمان ابوطالب ان کے ایمان سے بھاری ہوگا.

---

(1) الغدیر، جلد 7 ص398 تفسیر وکیع سے نقل کرتے ہوئے (طبع 3 بیروت 1378ھ).

(2) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد 14 ص 68 (طبع دوم) الحجۃ ص18.

ب:امام جعفر صادق رسول اکرم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں :

اِنّ أصحاب الکھف أسرّوا الایمان و أظھروا الکفر فآتاھم اللہ أجرھم مرّتین و اِنّ أباطالب أسرّ الایمان و أظھر الشرک فآتاہ اللہ أجرہ مرتین.[1]

اصحاب کہف (چند مصلحتوں کی وجہ سے) اپنے ایمان کو چھپا کر کفر کا اظہار کرتے تھے تو پروردگار عالم نے انہیں دہرا اجر عطا فرمایا تھا. ابوطالب نے بھی اپنے ایمان کو چھپا کر (کسی مصلحت کی وجہ سے) شرک کا اظہار کیا تو انہیں بھی پروردگار عالم نے دوہرا اجر دیا ہے.

گزشتہ دلیلوں کی روشنی میں آفتاب کی طرح واضح و روشن ہوجاتا ہے کہ

جناب ابوطالب درج ذیل بلند مقامات پر فائز تھے:

1۔خدا و رسول ﷺ پر محکم ایمان.

2۔پیغمبر خدا ﷺ کے بے لوث حامی و ناصر اور راہ اسلام کے فداکار.

3۔پیغمبر اکرم ﷺ کے بے نظیر محبوب.

4۔خداوند عالم کے نزدیک عہدۂ شفاعت کے مالک.

---

(1)شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد 14 ص 70 (طبع دوم) الحجۃ ص115.

اس اعتبار سے ثابت ہوجاتا ہے کہ جناب ابوطالب پر لگائی گئی نسبتیںباطل اور بے بنیاد ہیں.جو کچھ بیان ہوچکا ہے اس سے دو حقیقتیں آشکار ہوجاتی ہیں :

1۔پیغمبراکرم ﷺ ، جناب امیرالمومنین ، ائمہ معصومین٪ اور اصحاب پیغمبر ﷺ کی نگاہ میں جناب ابوطالب ایک باایمان شخص تھے.

2۔جناب ابوطالب پر کفر کا الزام باطل اور بے بنیاد ہے اور ان پر یہ تہمت بنی امیہ اور بنی عباس (جو ہمیشہ سے اہل بیت٪ اور جناب ابوطالب کی اولاد سے جنگ کرتے آئے ہیں) کے اشاروں پر بعض سیاسی مفادات کے تحت لگائی گئی تھی.

اب ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس حدیث کا جائزہ لیں جو "حدیث ضحضاح"کے نام سے مشہور ہے اور جسے بعض لوگوں نے سند قرار دیتے ہوئے جناب ابوطالب کی شخصیت کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے ہم یہاں قرآنی آیات ، سنت نبوی ﷺ اور عقل کی روشنی میں اس حدیث کے باطل اور بے بنیاد ہونے کے دلائل پیش کریں گے:

حدیث ضحضاح کا تحقیقی جائزہ

بعض مصنفین جیسے بخاری اور مسلم نے "سفیان بن سعید ثوری" "عبدالملک بن عمیر" "عبداللہ العزیز بن محمد دراوردی" "لیث بن سعد" جیسے راویوں سے نقل کرتے ہوئے ان دو اقوال کو پیغمبر اکرم ﷺ سے منسوب کیا ہے:

الف:"وجدته ف غمراتٍ من النار فأخرجته الی ضحضاح".

میں نے انہیں آگ کے انبار میں پایا تو انہیں ضحضاح(1) کی طرف منتقل کردیا۔

ب:"لعلہ تنفعہ شفاعت یوم القیامۃ فیجعل ف ضحضاح من النار یبلغ کعبیہ یغل منہ دماغہ "

قیامت کے دن شاید میری شفاعت ابوطالب کے کام آجائے تاکہ انہیں ضحضاح میں ڈال دیا جائے جس کی گہرائی پاؤں کے ٹخنوں تک ہوگی اور جس میں ان کا (معاذاللہ) دماغ کھولے گا (2)

اگرچہ جناب ابوطالب کے ایمان سے متعلق گزشتہ روایات اور دلائل کی روشنی میں اس حدیث ضحضاح کا باطل اور بے بنیاد ہونا اچھی طرح ثابت ہوجاتا ہے لیکن پھر بھی اس مسئلے کی وضاحت کیلئے حدیث ضحضاح سے متعلق دو چیزوں کی تحقیق ضروری ہے:

1۔اس حدیث کے سلسلہ سند کا باطل ہونا.

2۔اس حدیث کے متن کا کتاب خدا اور سنت پیغمبر ﷺ بر خلاف ہونا.

---

(1)"ضحضاح "ایسے گڑھے کو کہتے ہیں جس کی گہرائی آدمی کے قد سے کچھ کم ہو.

(2) صحیح بخاری جلد5 ابواب مناقب باب قصہ ابوطالب ص52 اور جلد 8 کتاب الادب باب کنیۃ المشرک ص 46 طبع مصر.

حدیث ضحضاح کے سلسلہ سند کا باطل ہونا

ہم نے بیان کیا تھا کہ اس حدیث کے راوی "سفیان بن سعید ثوری""عبدالملک بن عمیر" "عبدالعزیز بن محمددراوردی" اور "لیث بن سعد"ہیں اب ہم ان راویوں کے سلسلے میں اہل سنت کے علمائے رجال کے نظریات کی تحقیق کریں گے:

الف: ''سفیان بن سعید ثوری''

ابوعبداللہ بن احمد بن عثمان ذھبی کا شمار اہل سنت کے بزرگ مرتبہ علمائے رجال میں ہوتا ہے انہوں نے سفیان بن سعید ثوری کے بارے میں یوں کہا ہے: "کان یدلس عن الضعفائ."[1]

سفیان بن سعید ثوری ضعیف راویونکی گھڑی ہوئی حدیثیں نقل کرتا تھا.

ذہبی کا یہ کلام اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سفیان ثوری ضعیف اور مجہول الحال قسم کے افراد سے حدیثیں نقل کیا کرتا تھا اس اعتبار سے اس کی نقل کی ہوئی حدیثوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے .

---

(1)میزان الاعتدال (ذہبی) جلد2 ص169 طبع 1 بیروت 1382ھ.

ب:عبدالملک بن عمیر

اس کے بارے میں ذہبی نے بھی کہا ہے:

طال عمره وساء حفظه ، قال أبوحاتم ليس بحافظ تغيّر حفظه و قال أحمد: ضعيف يخلط و قال ابن معين : مخلط و قال ابن خراش كان شعبة لايرضاه و ذكر الكوسج عن أحمد أنه ضعفه جدًا.[1]

اس کی عمر زیادہ ہوگئی تھی اور اس کا حافظہ کام نہیں کرتا تھا اور اسی طرح ابوحاتم نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ: اس کے اندر حدیثیں حفظ کرنے کی قدرت ختم ہوگئی تھی اور اس کی یاداشت جاتی رہی تھی اسی طرح احمد بن حنبل نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ضعیف تھا صحیح حدیث کو جعلی حدیث سے ملا کر بیان کرتا تھا اور ابن معین نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ صحیح اور غلط حدیثوں کو آپس میں ملا دیا کرتا تھا اور ابن خراش نے بھی اس کے بارے میں کہا ہے کہ شعبہ بھی اس سے راضی نہ تھے اور کوسج نے احمد ابن حنبل سے یوں نقل کیا ہے کہ وہ عبدالملک بن عمیر کو نہایت ہی ضعیف قسم کا شخص شمار کرتے تھے.

گذشتہ اقوال کے مجموعے سے معلوم ہوتا ہے "عبدالملک بن عمیر" درج ذیل صفات کا مالک تھا:

---

(1)میزان الاعتدال جلد2 ص660(طبع 1، بیروت)

1۔ اس کا حافظہ ختم ہوگیا تھا اور وہ بھول جاتا تھا .

2۔ علم رجال کی اصطلاح میں وہ ایک ضعیف شخص تھا اور اسکی روایات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا.

3۔ بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا شخص تھا.

4۔ صحیح اور غلط کو آپس میں ملا کر بیان کرنے والا شخص تھا۔ واضح ہے کہ مذکورہ صفات میں سے صرف ایک صفت بھی عبدالملک بن عمیر کو ضعیف اور ناقابل اعتماد شخص قرار دینے کیلئے کافی تھی جبکہ اسکے اندر تو یہ سارے نقائص جمع تھے.

ج: عبدالعزیز بن محمد دراوردی

اہل سنت کے علمائے رجال نے اسے حافظہ سے بے بہرہ اور بھول جانے والا ایسا شخص قرار دیا ہے کہ جس کی روایات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا. احمد بن حنبل نے عبدالعزیز بن محمد دراوردی کے بارے میں یہ کہا ہے : اِذا حدّث من حفظہ جاء ببواطیل.[1]

جب بھی وہ اپنے حافظے سے کوئی روایت نقل کرتا ہے تو وہ باطل اور بے ہودہ اقوال سے پر ہوتی ہے.

اسی طرح ابو حاتم نے اس کے بارے میں یہ کہا ہے:"لا یحتج بہ"[2] اس کی

---

(1) گذشتہ حوالہ ص634.

(2) گذشتہ حوالہ.

حدیث کے ذیعہ استدلال نہیں کیا جاسکتا. اور ابوزارعہ نے اسکے بارے میں "سّ ء الحفظ"یعنی اس کا حافظہ صحیح نہیں تھا جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں [1]

د: لیث بن سعد

اہل سنت کے علمائے رجال کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ وہ راوی جن کے نام "لیث" ہیں وہ سب ایسے مجہول الحال یا ضعیف افرادہیں جن کی نقل کی ہوئی احادیث پر عمل اور اعتماد نہیں کیا جاسکتا[2] لیث بن سعد بھی انہی ضعیف اور لاپرواہ افرادمیں سے تھا جو احادیث کے سننے اور ان کے راویوں سے لینے میں انتہائی لاپرواہی سے کام لیتے تھے.

یحیی بن معین نے اسکے بارے میں کہا ہے: اِنّه کان یتساهل فی الشیوخ والسماع.[3]

لیث بن سعد، افراد سے حدیث لینے اور سننے میں لاپرواہی کیا کرتا تھا.

"نباتی "نے بھی اسے ضعیف افرادمیں قرار دیا ہے اور اپنی کتاب "التذلیل علی الکامل" (جسے انہوں نے ضعیف افرادکی پہچان کے لئے لکھا ہے) میں "لیث بن سعد"

---

(1)گذشتہ حوالہ ص634.

(2)میزان الاعتدال جلد3 ص 420تا 423 طبع 1 ، بیروت.

(3)گذشتہ حوالہ ص423.

کے نام کا بھی ذکر کیا ہے.[1]

اس بیان سے معلوم ہوجاتا ہے کہ حدیث" ضحضاح" کے سارے راوی انتہائی ضعیف تھے لہذا ان سے منقول احادیث پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا.

حدیث ضحضاح کا مضمون قرآن و سنت کے خلاف ہے اس حدیث میں پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف نسبت دی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے جناب ابوطالب کو(معاذاللہ) آگ کے شعلوں کے انبار سے نکال کر ضحضاح کی طرف منتقل کردیا تھا اس اعتبار سے پیغمبر اکرم ﷺ نے ان کے عذاب میں کمی کرادی تھی یا آنحضرت ﷺ نے قیامت کے دن ان کے حق میں شفاعت کرنے کی آرزو کی تھی جبکہ قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ کا عذاب میں کمی کرانے یا شفاعت کرنے کا حق صرف مومنوں اور مسلمانوں سے ہی مخصوص ہے لہذا اگر (معاذاللہ) جناب ابوطالب کافر ہوتے تو ہرگز پیغمبر اکرم ﷺ ان کے عذاب میں کمی یا ان کی شفاعت کی آرزو نہ کرتے . اس اعتبار سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ (حدیث ضحضاح) کا مضمون باطل اور بے بنیاد ہے اب

ہم قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلے کی چند واضح دلیلیں پیش کرتے ہیں :

الف: قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے:

(وَالَّذِینَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لاَیُقْضَى عَلَیْهِمْ فَیَمُوتُوا وَلاَیُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ

---

(1) شیخ الابطح ص75 اور میزان الاعتدال جلد3 ص423.

نَجْزِ كُلَّ كَفُورٍ)[1]

اور جنھوں نے کفر اختیار کیا ان کیلئے جہنم کی آگ ہے نہ تو ان کی قضا آئے گی کہ مرجائیں اور نہ ہی انکے عذاب میں کوئی تخفیف کی جائی گی ہم اسی طرح ہر کفر کرنے والے کو سزا دیا کرتے ہیں.

ب:سنت نبی ﷺ میں بھی کفار کے حق میں شفاعت کی نفی کی گئی ہے: ابوذر غفاری نے پیغمبر اکرم ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے :

أعطیت الشفاعۃ وھ نائلۃ من أُمت مَن لایشرک باللہ شیئًا.

مجھے شفاعت کرنے کا حق دیا گیا ہے اور وہ میری امت کے ایسے افراد کے لئے ہوگی جنھوں نے خداوندعالم کے سلسلے میں شرک نہ کیا ہو.

لہذا حدیث ضحضاح کا مضمون باطل ، بے بنیاد اور قرآن و سنت کے اصولوں کے خلاف ہے.

نتیجہ

اس بیان کی روشنی میں یہ واضح ہوجاتا ہے کہ حدیث ضحضاح سند و متن کے اعتبار

سے ناقابل عمل روایت ہے. اس طرح جناب ابوطالب کی باایمان شخصیت کو داغدار کرنے والی مہمل روایت باطل ہوجاتی ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ کے حامی و ناصر جناب ابوطالب کا ایمان محکم طریقہ سے ثابت ہوجاتا ہے۔

(1)سورہ فاطر آیت : 36.

تیسواں سوال

کیا شیعوں کی نظر میں جبرئیل نے منصب رسالت کے پہنچانے میں خیانت کی ہے اور کیا یہ صحیح ہے کہ انھوں نے حضرت علیؑ کے بجائے قرآن مجید کو رسول اکرم ﷺ پر نازل کیا ہے؟

جواب: بعض جاہل اور خود غرض افراد نے شیعوں پر یہ تہمت لگائی ہے. اس مسئلے کے جواب سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سوال کے پیدا ہونے کا اصلی سبب بیان کردیں:

اس تہمت کا اصلی سبب

قرآنی آیات اور احادیث نبوی کے مطابق یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت جبرئیل نے رسالت کے پہنچانے میں خیانت کی ہے کیونکہ خداوندعالم نے انہیں حکم دیا تھا کہ منصب نبوت کو خاندان اسرائیل میں قراردیں لیکن انہوں نے پروردگار عالم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے منصب نبوت کو اولاد اسماعیل میں قرار دے دیا

اسی بنیاد پر یہودی جناب جبرئیل کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں [1]

اور ان کے بارے میں ہمیشہ "خان الامین" "جبرائیل نے خیانت کی" کا جملہ استعمال کرتے ہیں اسی وجہ سے قرآن مجید نے ان پر اعتراض کیا ہے اور ان کے نظریئے کو باطل قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل آیت میں جناب جبرئیل کو فرشتہ "امین" کے نام سے یاد کیا ہے:

(نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِینُ ة عَلیٰ قَلْبِکَ لِتَکُونَ مِنْ الْمُنذِرِینَ)[2]

اس (قرآن مجید) کو روح الامین (جبرائیل) لے کر نازل ہوئے ہیں یہ آپ کے قلب پر نازل ہوا ہے تاکہ آپ لوگوں کو عذاب الہی سے ڈرانے والوں میں سے ہوجائیں.

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

(قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِیلَ فَاِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللهِ)[3]

---

(1) تفسیر فخر رازی جلد1 ص 436 اور 437 طبع مصر 1308ھ.

(2) سورہ شعراء آیت: 194.

(3) سورہ بقرہ آیت: 93۔194.

آپ کہہ دیجئے: جو کوئی جبرئیل کا دشمن ہے وہ یہ جان لے کہ اس نے تو اس قرآن کو حکم خدا سے آپ کے قلب پر نازل کیا ہے.

اگر ان آیات کی تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ قوم یہود چند وجوہات کی بنا پر جناب جبرئیل کو اپنا دشمن شمار کرتے ہوئے انہیں فرشتۂ عذاب اور رسالت پہنچانے میں خیانت کرنے والا تصور کرتی تھی لہذا اس کلمے "خان الامین" کا سرچشمہ قوم یہود کا عقیدہ ہے اور بعض جاہل مصنفین نے شیعوں سے اپنی پرانی دشمنی کے نتیجے میں بے انصافی سے کام لیتے ہوئے یہودیوں کے اس جملے کو شیعہ قوم سے منسوب کردیا ہے.

شیعوں کی نگاہ میں منصب نبوت

شیعہ ،قرآن وسنت کی پیروی اور ائمہ معصومین ؑ کی روایات کی روشنی میں نہ صرف یہ کہ حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کو حکم خدا سے ساری دنیا کے لئے نبی برحق سمجھتے ہیں بلکہ وہ آنحضرت ﷺ کو آخری نبی اور سید المرسلین بھی مانتے ہیں .

شیعوں کے پہلے امام حضرت علی بن ابی طالب اپنے اس گہربار کلام میں اس حقیقت کی یوں گواہی دیتے ہیں :

وأشهد أن لااله الا الله وحده لاشريک و أشهد أن محمّدًا عبده و رسوله خاتم النبيّين و حجة الله علیٰ العالمين.[1]

میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اس خدائے واحد کے جس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد خدا کے بندے اس کے رسول، خاتم الانبیاء اور سب جہانوں پر خدا کی حجت ہیں.

امام جعفر صادق نیز فرماتے ہیں:

"لم يبعث الله عزّوجلّ من العرب اِلا خمسة أنبياء هودًا و صالحًا و اسماعيل و شعيبًا و محمدًا خاتم النبيّين ﷺ".[2]

خداوندعالم نے پانچ انبیاء کو قوم عرب میں سے مبعوث فرمایا ہے: حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت اسماعیل، حضرت شعیب اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی ﷺ.

یہ حدیث بخوبی شیعوں پر لگائی گئی نسبت کو باطل کردیتی ہے اور حضرت محمدبن عبداللہ کو خدا کے آخری نبی کی حیثیت سے پہچنواتی ہے[3]

---

(1) نہج السعادۃ جلد1 ص 188 طبع بیروت اور کافی جلد8 صفحہ 67 طبع 2 تہران.

(2).بحار الانوار جلد11 ص 42 طبع 2 بیروت 1403ھ.

(3)پیغمبر اسلام ﷺ کی خاتمیت کے سلسلے میں زیادہ روایات سے آگاہی کے لئے استاد جعفر سبحانی کی کتاب "مفاہیم القرآن" کا مطالعہ فرمائیں.

اسی بنیاد پر تمام شیعہ جناب جبرئیل کو رسالت پہنچانے میں امین سمجھتے ہیں اور اسی طرح ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ خدا کے آخری اور برحق نبی تھے اور حضرت علی بن ابی طالب آنحضرت ﷺ کے حقیقی وصی اور جانشین تھے۔

یہاں پر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی درج ذیل حدیث پیش کریں جس کے صحیح ہونے پر شیعہ اور سنی دونوں اتفاق نظر رکھتے ہیں اور دونوں ہی فرقوں کے محدثین نے اس حدیث کو اپنی معتبر کتابوں میں نقل کیا ہے یہ حدیث "حدیث منزلت" کے نام سے مشہور ہے اس حدیث میں آپ نے اپنی رسالت کی خاتمیت بیان کرنے کے بعد حضرت علی کو اپنا وصی اور جانشین معین فرمایا ہے پیغمبر اکرم ﷺ نے حضرت علی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

أما ترضیٰ أن تکون منّی بمنزلة هارون من موسیٰ الا اِنّه لانبیّ بعد[1]

---

(1)اس حدیث کے بے شمار ماخذ موجود ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

1۔ صحیح بخاری جلد6 ص3 باب غزوہ تبوک (طبع مصر)

2۔ صحیح مسلم جلد7 ص 120 باب فضائل علی (طبع مصر)

3۔ سنن ابن ماجہ جلد1 ص55 باب فضائل اصحاب النبی ﷺ (طبع اول مصر)

4۔ مستدرک حاکم جلد3 ص 109 (طبع بیروت)

5۔ مسند احمد جلد1 ص 170، 177، 179، 182، 184، 185 اور جلد 3 میں ص 32

6۔ صحیح ترمذی جلد5 ص21 باب مناقب علی بن ابی طالب (طبع بیروت)

7۔ مناقب ابن مغازلی ص 27 طبع بیروت 1403ھ

8۔ بحار الانوار جلد 37 ص 254 طبع 2 بیروت 1403ھ

9۔ معانی الاخبار (شیخ الصدوق) ص74 طبع بیروت 1399ھ

10۔ کنز الفوائد جلد2 ص 168 طبع بیروت 1405ھ

(اے علی) کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تمہاری نسبت مجھ سے ویسی ہی ہے جیسی ہارون کو موسیٰ سے تھی صرف یہ (فرق ہے) کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا.

یہ حدیث جو کہ سند کے اعتبار سے شیعہ و سنی محدثین کی نظر میں معتبر ہے شیعوں کے درج ذیل دو نظریوں کی واضح دلیل ہے:

1۔ حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ خدا کے آخری نبی ہیں.

2۔ حضرت علی بن ابی طالبؑ پیغمبر اکرم ﷺ کے جانشین اور بلافصل خلیفہ ہیں ۔

اکتیسواں سوال

تقیہ کا معیار کیا ہے؟

جواب:دشمنوں کے مقابلے میں دنیاوی اور دینی نقصانات سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے باطنی عقیدے اور ایمان کو چھپانے کا نام تقیہ ہے تقیہ ہر مسلمان شخص کا ایک ایسا شرعی فریضہ ہے جس کا سرچشمہ قرآنی آیات ہیں :

قرآن کی نگاہ میں تقیہ

قرآن مجید میں تقیہ سے متعلق بہت سی آیات ہیں ان میں سے یہاں ہم بعض کا ذکر کرتے ہیں :

(لایَتَّخِذْ الْمُؤْمِنُونَ الْکَافِرِینَ وْلِیَائَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِینَ وَمَنْ یَفْعَلْ ذَلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللهِ فِی شَیْئٍ اِلاَّ اَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً)[1]

---

(1)سورہ آل عمران آیت: 28.

مومنوں کو چاہیے کہ وہ اہل ایمان کو چھوڑ کر کفار کو اپنا ولی اور دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہوگا مگر یہ کہ تمہیں کفار سے خوف ہو تو کوئی حرج نہیں ہے.

یہ آیت بخوبی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ کفار کے ساتھ دوستی رکھنا جائز نہیں ہے لیکن اگر جان خطرہ میں ہو تو تقیہ کرتے ہوئے ان سے ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کیا جاسکتا ہے.

ب:(مَنْ کَفَرَ بِااللهِ مِنْ بَعْدِ یمَانِهِا لاَّ مَنْ اُکْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنّ بِالْاِیمَانِ وَلٰکِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْهِمْ غَضَب مِنْ اللهِ وَلَهُمْ عَذَاب عَظِیم)[1]

جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلے سوائے اس کے جسے کفر پر مجبور کردیا جائے اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو (تو کوئی حرج نہیں ہے) لیکن وہ شخص جس کے سینہ میں کفر کے لئے کافی جگہ پائی جاتی ہو اس کے اوپر خدا کا غضب ہے اور اس کے لئے بہت بڑا عذاب ہے.

مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں یہ لکھا ہے: ایک دن کفار نے جناب عمار ابن یاسر کو ان کے ماں باپ کے ہمراہ گرفتار کرلیا اور ان سے کہنے لگے کہ اسلام کو

---

(1)سورہ نحل آیت: 106

چھوڑ کر کفر و شرک اختیار کر لو تو عمار بن یاسر کے ہمراہ افراد نے ان کے جواب میں توحید و رسالت کی گواہیاں دینا شروع کردیں جس پر کفار نے ان میں سے بعض کو شہید کرڈالا اور بعض پر طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھانے لگے اس وقت جناب عمار نے اپنے باطنی عقیدے کے برخلاف تقیہ اختیار کرکے ظاہری طور پر کفر کے کلمات کو اپنی زبان پر جاری کیا تو کفار نے انہیں چھوڑ دیا پھر اسکے بعد جناب عمار انتہائی پریشانی کے عالم میں رسول خدا کی خدمت میں پہنچے تو آنحضرت نے انہیں تسلی دی اور پھر اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی.[1]

اس آیت اور اس کی تفسیر سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کے زمانے میں اصحاب بھی جان ومال کی حفاظت کے لئے اپنے باطنی عقیدے کو چھپا کر تقیہ کرتے تھے.

تقیہ شیعوں کی نگاہ میں

بنی امیہ اور بنی عباس کے ظالم حکمران ہمیشہ شیعوں سے برسرپیکار رہے ہیں اور انہوں نے شیعوں کے قتل عام میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے[2]

اس بنا پر اس زمانے میں شیعوں نے قرآن مجید کے حکم کے مطابق انتہائی سخت حالات میں اپنے سچے عقائد چھپا کر اپنی اور دوسرے مسلمان بھائیوں کی جانیں محفوظ کی تھیںٔواضح ہے کہ اس ظلم و ستم کی فضا میں شیعوں کے لئے تقیہ کے علاوہ کوئی ایسا چارۂ کار نہیں تھا جو شیعوں کو نابودی سے بچاتا لہذا اگر وہ ظالم حکام، شیعوں کے دشمن نہ ہوتے اور شیعوں کا بے گناہ قتل عام نہ کرتے تو ہرگز شیعہ تقیہ اختیار نہ کرتے یہاں پر اس نکتے کا ذکر بھی ضروری ہے کہ تقیہ صرف شیعوں سے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ دوسرے مسلمان بھی جب اپنے ایسے دشمنوں کے مقابلے میں قرار پاتے ہیں جو مسلمانوں کے تمام فرقوں کے دشمن ہیں (جیسے کہ خوارج اور وہ ظالم حکومتیں جو ہر حرام کام کو جائز سمجھتی ہیں)اور ان سے مقابلہ کی طاقت بھی نہیں ہوتی تو وہ اپنی جان کی حفاظت کی خاطر تقیہ کا سہارا لیتے ہیں اس بنیاد پر اگر اسلامی معاشرے کے تمام افراد اپنے فقہی مذاہب میں اتفاق رائے رکھتے ہوئے وحدت و اخوت کی زندگی گزارنا شروع کردیں تو پھر ہرگز انھیں تقیہ کی ضرورت باقی نہیں رہے گی.

---

(1)اس سلسلے میں جلال الدین سیوطی کی تفسیر در المنثور جلد4 ص131 (طبع بیروت) کا مطالعہ کیجئے.

(2)بنی امیہ اور بنی عباس کے حکام کے حکم پر شیعوں کے بے رحمانہ قتل عام کے سلسلے میں تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لئے ان کتابوں"مقاتل الطالبین"(مصنفہ ابوالفرج اصفہانی) "شہداء الفضیلۃ(مصنفہ علامہ امینی)"، "الشیعہ والحاکمون"(مصنفہ محمد جواد مغنیہ)کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا.

نتیجہ

گزشتہ بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ:

1۔تقیہ کی اساس قرآن مجید پر ہے اور صدر اسلام میں پیغمبر اکرم ﷺ کے اصحاب بھی تقیہ کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ ان کے اس عمل کی تائید فرماتے تھے یہ سب تقیہ کے جائز ہونے کی دلیلیں ہیں۔

2۔شیعہ اپنے مذہب کو بچانے اور دشمنوں کے سفاکانہ قتل عام سے محفوظ رہنے کے لئے تقیہ کرتے تھے۔

3۔تقیہ صرف شیعوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ دوسرے مسلمان بھی تقیہ کرتے ہیں۔

4۔تقیہ کرنا اور اپنے باطنی عقائد چھپانا صرف کفار کے مقابلے میں ہی انجام نہیں پاتا بلکہ تقیہ کا معیار (مسلمانوں کی جان بچانا) عمومیت رکھتا ہے اور ہر ایسے ظالم دشمن کے سامنے کہ جس کے ساتھ مقابلے کی قدرت نہ ہو یا اس سے جہاد کرنے کے شرائط پورے نہ ہورہے ہوں تقیہ ضروری ہوجاتا ہے۔

5۔اگر مسلمانوں میں مکمل وحدت اور ہم فکری پیدا ہوجائے تو ہرگز ان کے درمیان تقیہ کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

بتیسواں سوال

ایران کے بنیادی قانون میں کیوں جعفری مذہب (شیعہ اثنا عشری) کو حکومت کا مذہب قرار دیا گیا ہے؟

جواب:اس میں شک نہیں کہ جمہوری اسلامی ایران کے بنیادی قانون کی نظر میں تمام اسلامی مذاہب محترم و معزز شمار کئے جاتے ہیں لیکن یہ بات بھی طے ہے کہ اسلامی و فقہی مذاہب (: جیسے جعفری، مالکی، شافعی، حنبلی، حنفی و...) کے ماننے والے اپنے فردی اور اجتماعی احکام میں یکساں اور متحد نہیں ہیں اور ان کے درمیان بہت سے اختلافات دکھائی دیتے ہیں دوسری طرف سے ایک معاشرے کے قوانین و حقوق کا آپس میں منظم اوریک رنگ ہونا وقت کی شدید ترین ضرورت ہے اس اعتبار سے واضح ہے کہ ہر سرزمین پر ان مذاہب میں سے صرف ایک مذہب ہی اجتماعی قوانین کو نافذ کرسکتا ہے اس لئے کہ قانون گزاروں کے مختلف ہونے سے کبھی بھی ایک جیسے اوریکساں قوانین نہیں بنائے جاسکتے اس بنیادپر یہ ضروری ہے کہ ہر معاشرے میں اسلامی اور فقہی مذاہب میں سے صرف ایک مذہب ہی باضابطہ طورپراجتماعی قوانین کا ماخذ قرار پائے تاکہ اس مملکت کے قوانین و ضوابط میں کسی طرح کی دو روئی اور بد نظمی پیدا نہ ہونے پائے اور فردی و اجتماعی امور میں منظم اوریکساں قوانین و ضوابط بنانے کا زینہ ہموار ہوسکے.

جعفری مذہب کی تعیین کا معیار

گزشتہ وضاحت کے بعد اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے کس معیار کے تحت تمام مذاہب میں سے صرف جعفری مذہب کو ملک کے قوانین و ضوابط کا ماخذ قرار دیا ہے؟

اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے چونکہ ایران میں عوام کی اکثریت ایسے مسلمانوں کی ہے جو جعفری مذہب کو مانتے ہیں لہذا اس ملک کے بنیادی قوانین میں جعفری مذہب کو ملک کا رسمی مذہب قرار دیا گیا جو کہ ایک فطری امر ہے اور تمام منطقی اور حقوقی ضابطوں سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے.

ایران میں دوسرے اسلامی مذاہب کا درجہ

اگرچہ ایران کے بنیادی قوانین میں جعفری مذہب کو ملک کا رسمی مذہب قرار دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود اس اسلامی مملکت میں دوسرے اسلامی مذاہب (جیسے شافعی، حنبلی، حنفی، مالکی، اور زیدی کو) نہ صرف محترم شمار کیا گیا ہے بلکہ ان مذاہب کے ماننے والوں کو درج ذیل امور میں اپنی فقہ پر عمل کرنے میں مکمل اختیار بھی دیا گیا ہے:

1۔ اپنے مذہبی مراسم کے انجام دینے میں .

2۔ اپنی دینی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں.

3۔ اپنے ذاتی اور شخصی کاموں کو انجام دینے میں.

4۔ اپنے مذہب کے خصوصی قوانین و ضوابط میں (جیسے نکاح، طلاق، میراث، وصیت وغیرہ).

اس کے علاوہ اگر کسی علاقے میں مذکورہ مذاہب میں سے کسی مذہب کے ماننے والوں کی تعداد زیادہ ہوگی وہاں کے قونصل خانوں میں ان کے لئے ان کے مذہب کے مطابق قوانین و ضوابط وضع کئے جائیں گے اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے حقوق بھی محفوظ رہیں گے.

یہاں پر اس موضوع کی مزید وضاحت کے لئے ہم ایران کے بنیادی قانون کی بارہویں اصل کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں :

"ایران کا رسمی دین اسلام اور مذہب جعفری اثنا عشری ہے یہ ہمیشہ رہے گا اور ناقابل تبدیل ہوگا اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے مذہبوں. جیسے شافعی، حنبلی ، حنفی، مالکی، اور زیدی مذاہب کے ماننے والے بھی مکمل طور پر محترم شمار کئے جائیں گے" اور ان مذاہب کے پیرو اپنی فقہ کے مطابق اپنے مذہبی رسومات کے انجام دینے میں آزاد ہوں گے اور اسی طرح وہ اپنی دینی تعلیم و تربیت اور اپنے ذاتی مسائل جیسے نکاح ، طلاق ، میراث ، وصیت، لڑائی جھگڑوں کے مسائل اور عدالتوں میں مقدموں کے سلسلے میں رسمی طور پر اپنے مذہب کی فقہ پر عمل کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور جس جگہ بھی مذکورہ مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کے پیرو اکثریت میں ہوں گے اس جگہ کے علاقائی قوانین ان کے مذہب کے مطابق ہوں گے اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے حقوق بھی محفوظ ہوں گے ایران کے قانون اساسی کی اس بارہویں اصل کی روشنی میں تمام اسلامی مذاہب کا احترام روشن ہوجاتا ہے۔

تینتیسواں سوال

کیا شیعہ نماز وتر کو واجب سمجھتے ہیں ؟

جواب:نوافل شب میں سے ایک نماز وتر بھی ہے جس کا پڑھنا اسلام کے ماننے والوں اور رسول ﷺ خدا کی پیروی کرنے والوں کے لئے مستحب ہے لیکن شیعہ فقہاء نے کتاب و سنت کی روشنی میں چند امور کو پیغمبر اسلام ﷺ کی خصوصیات میں سے قرار دیا ہے ان ہی میں سے ایک حضور ﷺ پر اس نماز کا واجب ہونا بھی ہے.

چنانچہ علامہ حلی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الفقہائ" میں تقریباً ستر چیزوں کو پیغمبر اکرم ﷺ کی خصوصیات میں شمار کیا ہے اور انہوں نے اپنے کلام کے آغاز ہی میں یہ کہا ہے:

"فأمّا الواجبات علیه دون غیره من أمّته أمور: الف : السواک ،ب: الوتر، ج: الأضحیه، رو عنه ﷺ أنه قال : ثلاث کتب علیّ ولم تکتب علیکم : السواک والوتر والأضحیّة..."[1]

---

(1)تذکرۃ الفقہاء جلد2 کتاب النکاح مقدمہ چہارم۔

وہ چیزیں جو صرف پیغمبر اسلام ﷺ پر واجب ہیں اور ان کی امت کے لئے واجب نہیں ہیں وہ یہ ہیں: الف: مسواک کرنا، ب: نماز وتر پڑھنا، ج: قربانی کرنا،.

رسول خدا سے نقل ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: تین چیزیں میرے اوپر واجب کی گئی ہیں لیکن تم لوگوں پر واجب نہیں ہیں اور وہ ہیں مسواک کرنا، نماز وتر پڑھنا اور قربانی کرنا" اس بنیاد پر نماز وتر شیعوں کی نظر میں صرف رسول خدا ﷺ پر واجب ہے اور دوسروں کے لئے اس کا پڑھنا مستحب ہے.

چونتیسواں سوال

کیا اولیائے خدا کی غیبی طاقت پر عقیدہ رکھنا شرک ہے؟

جواب: یہ بات واضح ہے کہ جب کبھی کوئی شخص دوسرے سے کسی کام کی درخواست کرتا ہے تو وہ اس شخص کو اس کام کے انجام دینے میں اپنے سے قوی اور طاقتور سمجھتا ہے اور یہ طاقت دو قسم کی ہوتی ہے :

1۔ کبھی یہ قدرت مادی اور فطری ہوتی ہے جیسے ہم کسی شخص سے کہیں مجھے ایک گلاس پانی لادو .

2۔ بعض اوقات یہ طاقت مادی اور فطری نہیں ہوتی بلکہ غیبی صورت میں ہوتی ہے جیسے کسی شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ خدا کے کچھ نیک بندے جناب عیسیٰ کی طرح لاعلاج مرض سے شفا عطا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور مسیحائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شدید قسم کے مریض کو بھی نجات عطا کرتے ہیں یہ بات واضح ہے کہ اس قسم کی غیبی طاقتوں پر انہیں خدا کے ارادے اور قدرت کا محتاج سمجھ کر عقیدہ رکھنا فطری و مادی قدرتوں پر عقیدہ رکھنے کی طرح ہے اور یہ ہرگز شرک قرار نہیں پاسکتا اس لئے کہ خداوندعالم ہی نے یہ مادی اور فطری طاقتیں انسان کو عطا کی ہیں اور اسی نے غیبی طاقتوں کو اپنے نیک بندوں کو عنایت فرمایا ہے .

یہاں پر ہم اس جواب کی مزید وضاحت کرنے کے لئے یہ کہیں گے کہ اولیائے خدا کی غیبی قدرت و طاقت پر دو طرح سے عقیدہ رکھا جاسکتا ہے :

1۔ کسی شخص کی غیبی قدرت پر اس طرح عقیدہ رکھا جائے کہ اسے اپنی اس طاقت میں مستقل اور اصل سمجھیں اور خدائی امور کو مستقل طور پر اس کی طرف نسبت دینے لگیں اس صورت میں شک نہیں کہ یہ عقیدہ شرک شمار ہوگا کیونکہ اس طرح ہم نے غیر خدا کو طاقت میں مستقل سمجھ کر خدائی امور کو غیر خدا کی طرف منسوب کردیا ہے جب کہ یہ طے ہے کہ پروردگار عالم کی لاتناہی طاقت و قدرت ہی سے تمام طاقتوں اور قدرتوں کا سرچشمہ بنا ہے.

2۔ خدا کے نیک اور باایمان بندوں کی غیبی طاقت پر اس طرح اعتقاد رکھیں کہ انہوں نے اپنی یہ قدرت پروردگار عالم کی لامحدود قدرت سے حاصل کی ہے اور در حقیقت ان قدرتوں کو حاصل کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان کے ذریعے خدا کی لامحدود قدرت کا اظہار کیا جا سکے اور وہ خود اپنی ذات میں کسی طرح کا استقلال نہیں رکھتے ہیں بلکہ وہ اپنی ہستی اور اپنی غیبی قدرت کے استعمال میں پوری طرح ذات پروردگار پر منحصر ہیں.

واضح ہے کہ اس طرح کا عقیدہ اولیائے الہی کو خدا سمجھنے یا ان کی طرف خدائی امور کی نسبت دینے کی طرح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں پروردگار عالم کے نیک بندے اس کی اجازت اور ارادے سے اس کی عطا کردہ غیبی طاقت کا اظہار کرتے ہیں.

قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے:

(وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ اَنْ يَأْتِیَ بِآيَةٍ ِالاَّ بِاِذْنِ اللهِ)[1]

اور کسی رسول کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لے آئے.

اس بیان کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ ایسا عقیدہ باعث شرک قرار نہیں پائے گا بلکہ توحید ویکتا پرستی سے مکمل طورپر مطابقت رکھنے والا عقیدہ نظر آئے گا.

قرآن مجید کی نظر میں اولیائے الہی کی غیبی طاقت

مسلمانوں کی آسمانی کتاب نے وضاحت کے ساتھ پروردگار عالم کے ان نیک بندوں کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے پروردگار عالم کی اجازت سے اپنی حیرت انگیز قدرت کا مظاہرہ کیا تھا اس سلسلے میں قرآن مجید کے بعض جملے ملاحظہ ہوں:

---

(1)سورہ رعد آیت : 38

1۔ حضرت موسیٰ کی غیبی طاقت

خداوندعالم نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اپنے عصا کو پتھر پر ماریں تاکہ اس سے پانی کے چشمے جاری ہوجائیں:

(وَاِذْ اسْتَسْقَی مُوسَی لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاکَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا)[1]

اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا: اپنا عصا پتھر پر مارو جس کے نتیجے میں اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے.

حضرت عیسیٰ کی غیبی طاقت

قرآن مجید میں مختلف اور متعدد مقامات پر حضرت عیسیٰ کی غیبی قدرت کا تذکرہ ہوا ہے ہم ان میں سے بعض کو یہاں پیش کرتے ہیں:

(اَنِّی اخْلُقُ لَکُمْ مِنْ الطِّينِ کَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنفُخُ فِيهِ فَيَکُونُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللهِ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتَیٰ بِاِذْنِ اللهِ)[2]

(حضرت عیسیٰ نے فرمایا)میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل کا مجسمہ بناؤں گا اور اس میں پھونک مارونگا تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جائے گا اور میں پیدائشی اندھے اور برص کے مریض کا علاج کروں گا اور خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کروں گا.

---

(1)سورہ بقرہ آیت: 60

(2)سورہ آل عمران آیت: 49

حضرت سلیمان کی غیبی طاقت

حضرت سلیمان کی غیبی طاقتوں کے سلسلے میں قرآن مجید یہ فرماتا ہے:

(وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ وَقَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ وَاُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ)[1]

اور سلیمان، داؤد کے وارث بنے اور انہوں نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی زبان کا علم دیا گیا ہے اور ہمیں ہر طرح کی چیزیں عنایت کی گئی ہیں بے شک یہ تو ایک نمایاں فضل ہے.

اس میں شک نہیں ہے کہ اس قسم کے کام جیسے حضرت موسیٰ کا سخت پتھر پر عصا مار کر پانی کے چشمے جاری کردینا حضرت عیسیٰ کا گیلی مٹی سے پرندوں کا خلق کردینا اور لاعلاج مریضوں کو شفا عطا کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا حضرت سلیمان کا پرندوں کی زبان سمجھنا یہ سب نظام فطرت کے خلاف شمار ہوتے ہیں اور درحقیقت انبیائے الہی نے اپنے ان کاموں کو اپنی غیبی طاقتوں کا استعمال کرتے ہوئے انجام دیا ہے.

جب قرآن مجید نے اپنی آیات میں .بیان کیا ہے کہ خداوندعالم کے نیک بندے غیبی طاقت رکھتے ہیں تو اب کیا ان آیات کے مضامین پر عقیدہ رکھنا شرک یا بدعت شمار کیا جاسکتا ہے؟ ان .بیانات کی روشنی میں بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ خدا کے نیک بندوں کی غیبی قدرتوں پر عقیدہ رکھنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انہیں خدا مانا جائے یا ان کی طرف خدائی امور کی نسبت دی جائے اس لئے کہ ان کے بارے میں اس قسم کے عقیدہ سے ان کی خدائی لازم آتی ہے اور اگر ایسا ہے تو پھر حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت سلیمان وغیرہ قرآن کی نظر میں خدا شمار ہونگے جب کہ سب مسلمان یہ جانتے ہیں کہ کتاب الٰہی کی نگاہ میں اولیائے الہی صرف خدا کے نیک بندوں کی حیثیت رکھتے ہیں یہاں تک کی گفتگو سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اولیائے الہی کی غیبی طاقت کے سلسلے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ انہیں یہ قدرت پروردگار کی لامحدود قدرت ہی سے حاصل ہوئی ہے اور درحقیقت ان کی اس قدرت کے ذریعے پروردگار عالم کی لامحدود قدرت کا اظہار ہوتا ہے تو اس صورت میں ہمارے یہ عقائد باعث شرک قرار نہیں پائیں گے بلکہ عقیدہ توحید کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ نظر آئیں گے کیونکہ توحید اور یکتا پرستی کا معیار یہ ہے کہ ہم دنیا کی تمام قدرتوں کو خدا کی طرف پلٹائیں اور اسی کی ذات کو تمام قدرتوں اور جنبشوں کا سرچشمہ قرار دیں ۔

---

(1)سورہ نمل آیت :16

پینتیسواں سوال

کیوں منصب امامت منصب رسالت سے افضل ہے؟

جواب:اس سوال کے جواب کے لئے سب سے پہلے ہم قرآن و حدیث کی روشنی میں ان تین لفظوں نبوت، رسالت اور امامت کی وضاحت پیش کریں گے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ منصب امامت ان دو منصبوں سے افضل ہے.

1۔ منصب نبوت

لفظ نبی کو"نبأ" سے اخذ کیا گیا ہے جس سے مراد"اہم خبر"ہے اس اعتبار سے نبی کے لغوی معنی ہیں وہ شخص جس کے پاس کوئی اہم خبر ہو یا وہ اس خبر کو پہنچانے والا ہو. [1]

قرآن کی اصطلاح میں بھی "نبی" ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو خداوندعالم سے مختلف طریقوں سے وحی حاصل کرتا ہو اور کسی بشر کے واسطے کے بغیر خدا کی طرف سے خبر دیتا ہو علماء نے نبی کی یہ تعریف کی ہے:

---

(1)اگر نبی صیغۂ لازم ہو گا تو پہلے معنی میں ہوگا اور اگر متعدی ہوگا تو دوسرے معنی میں ہوگا.

اِنّه مؤدٍ من اللہ بلاواسطة من البشر [1]

نبی ایسا شخص ہے جو کسی بشر کے واسطے کے بغیر خدا کی طرف سے پیغام پہنچاتا ہے

اس بنیاد پر "نبی" کا کام صرف یہ ہے کہ پروردگار عالم سے وحی حاصل کرے اوراس پر جو الہام ہوا ہے اسے لوگوں تک پہنچادے اوربس. قرآن مجید اس سلسلے میں یہ فرماتا ہے:

(فبعث اللہ النبیّین مبشرین و منذرین)[2]

پھر اللہ نے بشارت دینے والے اورڈرانے والے انبیاء بھیجے.

2۔ منصب رسالت

وحی الٰہی کی اصطلاح میں رسول ان پیغمبروں کو کہا جاتا ہے جو خدا سے وحی لینے اور اسے لوگوں تک پہنچانے کے علاوہ خدا کی طرف سے اس کی شریعت کو بیان کرنے اور اپنی رسالت کے اعلان کرنے کی اجازت بھی رکھتے ہوں قرآن مجید اس سلسلے میں یہ فرماتا ہے:

(فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوا اَنَّمَا عَلیٰ رَسُولِنَا الْبَلا غُ الْمُبِینُ)[3]

---

(1)رسائل العشر (مصنفہ شیخ طوسی) ص 111.

(2)سورہ بقرہ آیت: 213.

(3)سورہ مائدہ آیت 92.

پھر اگر تم نے منہ پھیر لیا تو جان لو ہمارے رسول کی ذمہ داری تو بس واضح طور پر حکم پہنچادینا ہے.

لہذا منصب رسالت ایک ایسا منصب ہے جو نبی کو عطا کیا جاتا ہے دوسرے لفظوں میں نبوت اور رسالت دونوں ہی الفاظ اس خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو پیغمبروں میں پائی جاتی ہے اگر پیغمبر صرف وحی الہی کو لے کر پہنچادے تو اسے نبی کہتے ہیں لیکن اگر وہ رسالت و شریعت بھی لوگوں تک پہنچائے تو اسے رسول کہا جاتا ہے .

3۔ منصب امامت

قرآن مجید کی نظر میں منصب امامت، نبوت او رسالت کے علاوہ ایک تیسرا عہدہ ہے جس میں صاحب منصب کو لوگوں کی رہبری کے ساتھ ساتھ کچھ زیادہ تصرفات کا اختیار حاصل ہوتا ہے.

اب ہم قرآنی آیات کی روشنی میں اس موضوع کے بارے میں چند واضح دلائل پیش کرتے ہیں .

1۔ قرآن کریم حضرت ابراہیم خلیل کو منصب امامت عطا کرتے ہوئے فرماتا ہے:

(وَاِذْ ابْتَلَی بْرَاهِیمَ رَبُّهُ بِکَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ مَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِی)[1]

---

(1) سورہ بقرہ آیت : 124.

اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات کے ذریعہ آزمایا اور انہوں نے ان کو پورا کردکھایا تو ارشاد ہوا میں تمہیں لوگوں کا امام بنا رہا ہوں انہوں نے کہا اور میری ذریت ؟

قرآن مجید کی اس آیت سے دو حقیقتیں آشکار ہوجاتی ہیں :

الف: مذکورہ آیت بخوبی اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ منصب امامت ، نبوت و رسالت کے علاوہ ایک تیسرا منصب ہے کیونکہ حضرت ابراھیم ان آزمائشوں (منجملہ قربانی اسماعیل سے پہلے ہی) مقام نبوت پر فائز تھے یہ بات درج ذیل دلیل سے ثابت ہوتی ہے:

ہم سب یہ جانتے ہیں کہ خداوندعالم نے حضرت ابراہیم کو بڑھاپے میں حضرت اسماعیل و اسحاق عطا فرمائے تھے قرآن مجید حضرت ابراہیم کی زبان سےیوں حکایت کرتا ہے :

(الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِی وَهَبَ لِی عَلَیٰ الْکِبَرِ اِسْمَاعِیلَ وَاِسْحَاقَ)[1]

شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل و اسحق عطا کئے.

اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم کی مذکورہ آزمائشوں میں سے ایک

---

(1)سورہ ابراہیم آیت :39.

حضرت اسماعیل کی قربانی بھی تھی اور اس مشکل آزمائش کے مقابلے میں انہیں منصب امامت عطا کیا گیا تھا نیز انہیں یہ منصب ان کی عمر کے آخری حصے میں عطا کیا گیا تھا.جبکہ وہ کئی سال پہلے ہی سے منصب نبوت پر فائز تھے کیونکہ حضرت ابراہیم پر ان کی ذریت سے پہلے بھی وحی الہی (جو کہ نبوت کی نشانی ہے) نازل ہوا کرتی تھی [1]

ب:اسی طرح اس آیت (وَ ِذْ ابْتَلَیٰ ِبْرَاہِیمَ رَبُّہُ بِکَلِمَاتٍ...) سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امامت اور رہبری کا منصب نبوت و رسالت سے بالاتر ہے کیونکہ قرآن مجید کی گواہی کے مطابق خداوند کریم نے جناب ابراہیم کو نبوت و رسالت کے عہدہ پر فائز ہونے کے باوجود جب انہیں امامت عطا کرنی چاہی تو انتہائی سخت قسم کے امتحان سے آزمایا تھا اور جب وہ اس امتحان میں کامیاب ہوئے تب اس کے بعد یہ منصب انہیں دیا تھا اس بات کی دلیل واضح ہے اس لئے کہ امامت کے فرائض میں وحی الہی کے حاصل کرنے اور رسالت و شریعت کے پہنچانے والے کے علاوہ امت کی رہبری اور ان کی ہدایت کرتے ہوئے انہیں کمال وسعادت کی راہ پر گامزن کرنا بھی شامل ہے اب یہ بات فطری ہے کہ وہ منصب ایک خاص قسم کی عزت و عظمت کا حامل ہوگا جس کا حصول انتہائی سخت آزمائشوں کے بغیر ممکن ہی نہ ہو.

2۔گذشتہ آیت سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ خداوندعالم نے سخت آزمائشوں

---

(1)اس سلسلے میں سورہ صافات کی آیت نمبر99 سے لے کر 102 تک اور سورہ حجر کی آیت نمبر53اور 54 اور سورہ ہود کی آیت 70 اور 71 کا مطالعہ فرمائیں.

کے بعد جناب ابراہیم کو امامت اور معاشرہ کی قیادت عطا فرمائی تھی اور اس وقت جناب ابراہیم نے خدا سے درخواست کی تھی خدایا! اس منصب کو میری ذریت میں بھی قرار دینا اب قرآن مجید کی چند دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ پروردگار عالم نے جناب ابراہیم کی یہ درخواست قبول کرلی تھی اور نبوت و امامت کے بعد امت کی رہبری اور حکومت کو جناب ابراہیم کی نیک اور صالح ذریت میں بھی قرار دے دیا تھا. قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے:

(فَقَدْ آتَيْنَا آلَ اِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا)[1]

تو پھر ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت عطا کی اور انکو عظیم سلطنت عنایت کی.

اس آیت سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ "امامت" نبوت ، سے الگ ایک منصب ہے جسے خداوندعالم نے اپنے عظیم القدر نبی جناب ابراہیم کو سخت آزمائشوں کے بعد عطا فرمایا تھا اور انہوں نے اس وقت خداوندعالم سے درخواست کی تھی کہ امامت کو میری ذریت میں بھی قرار دے تو خدائے حکیم نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی تھی اور انہیں آسمانی کتاب اور حکمت (جو کہ نبوت و رسالت سے مخصوص ہے) کے علاوہ "ملک عظیم" (یعنی لوگوں پر حکومت) بھی عطا کی تھی.

لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ خداوندکریم نے جناب ابراہیم کی ذریت کے بعض افراد (جیسے حضرت یوسف حضرت داؤد اور حضرت سلیمان) کو منصب نبوت کے علاوہ حکومت کرنے اور لوگوں کی رہبری کے لئے بھی منتخب فرمایا تھا ان بیانات کی روشنی میں معلوم ہوجاتا ہے کہ امامت کا عہدہ نبوت و رسالت کے علاوہ ایک تیسرا منصب ہے جو کہ مزید قدرت اور ذمہ داریوں کی وجہ سے دوسرے عہدوں کی بہ نسبت زیادہ اہمیت کا حامل ہے.

---

(1) سورہ نساء آیت 54.

منصب امامت کی برتری

گذشتہ بیانات سے واضح ہوجاتا ہے کہ نبی اور رسول کا کام صرف لوگوں تک پیغام پہنچانا اور انہیں راہ دکھانا ہے اور اگر کوئی نبی منصب امامت پر فائز ہوجاتا ہے تو اس کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے اور نتیجے میں معاشرے کو سنوارنے اور سعادت مند بنانے کے لئے شریعت کے احکامات کو نافذ کرنے کی ذمہ داری بھی اس کے دوش پر آجاتی ہے اس طرح وہ امت کو ایسے راستے پر گامزن کردیتا ہے جس سے وہ دونوں جہان میں خوشبخت بن جاتی ہے.

واضح ہے کہ اس قسم کی اہم ذمہ داری ایک عظیم معنوی قدرت اور خاص لیاقت کی نیاز مند ہے اور اس سنگین عہدے کے لئے راہ خدا میں صبراور ثبات قدم کی ضرورت ہے کیونکہ اس راہ میں ہمیشہ سخت مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے خواہشات نفسانی سے نبردآزما ہونا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ عشق خدا اور رضائے پروردگار کے بغیر اس عظیم منصب کا حصول ممکن نہیں ہے ان ہی سب وجہوں سے خداوند عظیم نے جناب ابراہیم کو ان کی عمر کے آخری حصے میں انتہائی سخت آزمائشوں کے بعد یہ منصب عطا کیا تھا اور پھر اپنے بہترین بندوں جیسے حضرت پیغمبر ختمی مرتبت ﷺ کو یہ منصب امامت و رہبری عنایت فرمایا تھا.

کیا نبوت اور امامت ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہیں ؟

اس سوال سے ایک اور سوال بھی سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ : کیا ہرنبی کے لئے امام ہونا اور ہر امام کے لئے نبی ہونا ضروری ہے؟

ان دو سوالوں کا جواب منفی ہے ہم اس جواب کو واضح کرنے کیلئے وحی الٰہی کا سہارا لیں گے وہ آیتیں جو طالوت اور ظالم جالوت کی جنگ کے سلسلے میں نازل ہوئی ہیں اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ خداوند عالم نے حضرت موسیٰ کے بعد منصب نبوت کو بظاہر "اشموئیل" نامی شخص کو عطا فرمایا تھا اور ساتھ ہی ساتھ منصب امامت و حکومت کو جناب طالوت کے سپرد کیا تھا اس قصے کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے :

حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے اپنے زمانے کے پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لئے ایک حکمران معین کیجئے تاکہ اس کی سربراہی میں ہم راہ خدا میں جنگ کریںتو اس وقت ان کے پیغمبر نے ان سے یوں کہا:

(وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللهَ قَدْ بَعَثَ لَکُمْ طَالُوتَ مَلِکًا قَالُوا اَنَّیٰ یَکُونُ لَهُ الْمُلْکُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ احَقُّ بِالْمُلْکِ مِنْهُ وَلَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِنْ الْمَالِ قَالَ اِنَّ اللهَ اصْطَفَاهُ عَلَیْکُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللهُ یُؤْتِی مُلْکَهُ مَنْ یَشَاءُ وَاللهُ وَاسِع عَلِیم)[1]

اور ان کے پیغمبر نے ان سے کہا : اللہ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر کیا ہے . ان لوگوں نے کہا: اسے ہم پر بادشاہی کرنے کا حق کیسے مل گیا ہے؟ ہم خود بادشاہی کے اس سے زیادہ حق دار ہیں . وہ تو کوئی دولت مند آدمی نہیں ہے . نبی نے جواب دیا کہ اللہ نے اسے تمہارے لئے منتخب کیا ہے اور اسے علم اور جسمانی طاقت کی فراوانی سے نوازا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک دے دیتا ہے اور اللہ بڑا وسعت والا، دانا ہے.اس آیت سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں :

1۔یہ ممکن ہے کہ کچھ مصلحتیں اس بات کا تقاضا کریں کہ منصب نبوت کو منصب امامت سے جدا کردیا جائے اور ایک ہی زمانے میں دو الگ الگ افراد نبی و امام ہوں اور ان میں سے ہر ایک اپنے خاص منصب ہی کی لیاقت وصلاحیت رکھتا ہو .

اسی لئے بنی اسرائیل نے اپنے زمانے میں ان دو منصبوں کے جدا ہونے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا کہ اے پیغمبر آپ طالوت سے زیادہ حکومت کے حقدار ہیں .بلکہ

---

(1)سورہ بقرہ آیت 247.

انہوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ ہم اس سے زیادہ حکومت کے حقدار ہیں.

2۔جناب طالوت کو حکومت خداوند کریم ہی نے عطا کی تھی قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے :

(اِنَّ اللهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا) اللہ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر کیا ہے اور یہ بھی ارشاد ہوتا ہے(اِنَّ اللهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ) بے شک اللہ نے اسے تمہارے لئے منتخب کیا ہے.

3۔جناب طالوت کا یہ الٰہی منصب صرف فوج کی سربراہی تک محدود نہیں تھا بلکہ وہ بنی اسرائیل کے حاکم و فرمانروا بھی تھے کیونکہ قرآن نے انہیں "مَلِکاً" کہہ کر یاد کیا ہے اگرچہ اس دن اس رہبری کا مقصد یہ تھا کہ جہاد کرنے کے لئے بنی اسرائیل کی سربراہی کریں لیکن ان کا یہ الٰہی منصب انہیں دوسری حکومتی ذمہ داریوں کو بھی انجام دینے کی اجازت دیتا تھا .

اس لئے قرآن مجید اس آیت کے اختتام میں فرماتا ہے :

(وَاللهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ) اور اللہ جسے چاہے اپنا ملک دیدے .

4۔امت کی رہبری اور امامت کے لئے اہم ترین شرط یہ ہے کہ اس میں علمی، جسمانی، اور معنوی توانائی پائی جاتی ہو اس قسم کی صلاحیت اس زمانے میں زیادہ اہمیت رکھتی تھی کیونکہ ان ایام میں حاکم خود میدان میں حاضر ہو کر جنگ کرتا تھا[1]

---

(1)منشور جاوید (مصنفہ استاد جعفر سبحانی) سے ماخوذ.

گذشتہ بیانات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبوت اور امامت ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم نہیں ہیں بلکہ ممکن ہے کہ ایک شخص نبی تو ہو لیکن منصب امامت پر فائز نہ ہو یا یہ کہ کوئی شخص خدا کی جانب سے امام تو ہو لیکن اسے عہدۂ نبوت حاصل نہ ہوا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ پروردگار عالم یہ دونوں منصب ایک ہی شخص کو عطا کردے جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:

(فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللهُ الْمُلْکَ وَالْحِکْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ)[1]

چنانچہ اللہ کے اذن سے انہوں نے جالوت کے لشکر کو شکست دے دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کردیا اور اللہ نے انہیں سلطنت و حکمت عطافرمائی اور جو کچھ چاہا انہیں سکھادیا۔

---

(1)سورہ بقرہ آیت 251.

چھتیسواں سوال

توحید اور شرک کی شناخت کا معیار کیا ہے؟

"توحید" اور شرک کی بحثوں میں سب سے اہم مسئلہ ان دونوں کی شناخت کے معیار کا ہے اور جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا بعض دوسرے اہم مسائل بھی حل نہیں ہوپائیں گے اس لئے ہم مسئلہ توحید و شرک پر مختلف زاویوں سے مختصراً بحث پیش کررہے ہیں :

1۔توحید ذاتی

توحید ذاتی دو صورتوں میں پیش کی جاتی ہے :

الف:خدا ایک ہے اور کوئی اس جیسا نہیں (اس مفہوم کو علم کلام کے علماء واجب الوجود کے نام سے یاد کرتے ہیں) اور یہ وہی توحید ہے کہ جسے خداوند عالم نے مختلف صورتوں میں قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے ملاحظہ ہو:

(ليس كمثله شئ)

اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے.[1]

ایک اور جگہ پر فرماتا ہے:

(ولم يكن له كفواً أحد)[2]

اور کوئی بھی اس کا کفو اور ہمسر نہیں ہے.

البتہ بعض اوقات توحید کی اس قسم کی تفسیر عامیانہ طور پر کردی جاتی ہے کہ جس میں توحید عددی کا رنگ دکھائی دینے لگتا ہے وہ اس طرح کہ : کہا جاتا ہے کہ خدا ایک ہے اور دو نہیں اس قسم کا جملہ سن کر کچھ کہے بغیر واضح ہوجاتا ہے کہ خدا کی طرف اس قسم کی توحید (عددی) کی نسبت دینا صحیح نہیں ہے.

ب: خدا کی ذات بسیط ہے نہ کہ مرکب کیونکہ ہرمرکب موجود (چاہے اس کا وجودذہنی اجزاء سے مرکب ہو یا خارجی اجزاء سے مرکب ہو) اپنے وجود میں اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور محتاج ہونا ممکن ہونے کی علامت ہے اور ہر ممکن علت کا محتاج ہوتا ہے. اور یہ سب کچھ واجب الوجود کے ساتھ کسی بھی صورت میں مطابقت نہیں رکھتا .

---

(1)سورہ شوریٰ آیت: 11.

(2)سورہ اخلاص آیت:4.

2۔ خالقیت میں توحید

توحید کے وہ مراتب جنہیں عقل و نقل دونوں نے قبول کیا ہے ان میں سے ایک توحید خالقیت بھی ہے عقل کی رو سے خداوندعالم کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سب عالم

امکان کے زمرے میں آتا ہے اور ہر قسم کے جمال وکمال سے عاری ہوتا ہے اور جو کچھ عالم امکان میں پایا جاتا ہے وہ غنی بالذات (خدا) کی بے کراں رحمتسے فیض یاب ہوتا ہے اس اعتبار سے اس دنیا میں دکھائی دینے والے جمال وکمال کے جلوے اسی کے مرہون منت ہوتے ہیں قرآن مجید نے بھی توحید خالقیت کے سلسلے میں بہت سی آیات پیش کی ہیں ہم ان میں سے صرف ایک آیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں :

(قُلْ اللہ خَالِقُ کُلِّ شَیْئٍ وَہُوَ الْوَاحِدُ الْقَہَّارُ)[1]

کہہ دیجئے : ہرچیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ، بڑا غالب ہے.

لہٰذا خدا پرستوں میں مجموعی طور پر توحید خالقیت کے سلسلے میں اختلاف نہیں پایا جاتا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ توحید خالقیت کے بارے میں دو قسم کی تفسیریں پائی جاتی ہیں ان دونوں کو ہم یہاں بیان کرتے ہیں :

الف: موجودات عالم میں پائے جانے والے ہر قسم کی علت اور معلول والے نظام اور نیز ان کے درمیان پائے جانے والے سبب اور مسبب کے رابطے سب ہی علۃ العلل (جس کی کوئی علت نہ ہو) اور مسبب الاسباب (جس کا کوئی سبب نہ ہو) تک پہنچتے ہیں اور درحقیقت اصلی اور مستقل خالق خداوندعالم ہی کی ذات ہے اور خدا کے علاوہ باقی سب علل واسباب ، خداوندعالم کی اجازت و مشیت کے تابع ہیں .

اس نظریہ میں دنیا میں علت و معلول کے نظام کا اعتراف کیا گیا ہے. اور علم بشر

---

(1) سورہ رعد آیت: 16.

نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے لیکن اس کے باوجود کل نظام کا تعلق ایک لحاظ سے خدا ہی سے ہے اور اسی نے اسباب کو سببیت ، علت کو علیت اور موثر کو تاثیر عطا کی ہے .

ب:اس دنیا میں صرف ایک ہی خالق کا وجود ہے اور وہ خداوندعالم کی ذات ہے اور نظام ہستی میں اشیاء کے درمیان ایک دوسرے کیلئے کسی قسم کی اثر گزاری اور اثرپذیری نہیں پائی جاتی بلکہ تمام مادی موجودات کا خالق بلا واسطہ خدا ہی ہے.اسی طرح انسان کی طاقت بھی اس کے اعمال پر اثر انداز نہیں ہوتی ہے. لہذا نظام ہستی میں صرف ایک ہی علت پائی جاتی ہے اور وہی ان فطری علتوں کی رئیس و اصل ہے.

البتہ توحید خالقیت کی یہ تفسیر اشاعرہ نے پیش کی ہے لیکن ان میں سے بعض افراد جیسے امام الحرمین [1]اور شیخ محمد عبدہ نے رسالہ توحید میں اس تفسیر کو چھوڑ کر پہلی تفسیر کو مانا ہے.

3۔تدبیر میں توحید

چونکہ عالم کو خلق کرنا خدا ہی سے مخصوص ہے لہذا نظام ہستی کی تدبیر بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور اس دنیا میں صرف ایک ہی مدبر کا وجود ہے اور وہ عقلی دلیل کہ جو توحید خالقیت کو ثابت کرتی ہے وہی دلیل تدبیر میں بھی توحید کو ثابت کرتی ہے.

قرآن مجید کی متعدد آیات نے خداوندعالم کے مدبر ہونے کو بیان کیا ہے اس سلسلے میں یہ آیت ملاحظہ ہو:

---

(1)ملل و نحل(شہرستانی)جلد1.

(اَغَيْرَ اللہِ اَبْغِی رَبًّا وَھُوَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ)[1]

کہہ دیجئے: کہ کیا میں خدا کے علاوہ کوئی اور رب تلاش کروں جب کہ وہ ہر چیز کا رب ہے.

البتہ وہ دونوں تفسیریں جو توحید خالقیت میں پائی جاتی ہیں وہی توحید تدبیری میں بھی پائی جاتی ہیں اور ہمارے عقیدے کے مطابق توحید تدبیری سے مراد یہ ہے کہ مستقل طور پر تدبیر کرنا صرف خدا سے مخصوص ہے

اس بنیاد پر نظام ہستی کے موجودات کے درمیان بعض تدبیریں خدا کے ارادے اور مشیت سے وجود میں آتی ہیں قرآن مجید نے بھی حق سے متمسک مدبروں کے بارے میں یوں فرمایا ہے:

(فالمدبرات امرًا)[2]

پھر امر کی تدبیر کرنے والے ہیں.

4۔حاکمیت میں توحید

حاکمیت میں توحید سے مراد یہ ہے کہ حکومت کا حق فقط خداوندعالم کو ہے اور صرف وہی انسانوں پر حاکم ہے جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:

---

(1)سورہ انعام آیت:164.

(2)سورہ نازعات آیت:5.

(اِنِ الْحُكْمُ اِلا لِلّٰہِ)[1]

حکم کرنے کا حق صرف خدا کو ہے.

اس اعتبار سے خدا کے علاوہ کسی اور کی حکومت صرف خدا کے ارادے اور مشیت سے ہونی چاہیے تاکہ نیک اور صالح افراد ہی معاشرے کے امور کی باگ ڈور سنبھالیں اور لوگوں کو کمال و سعادت کی راہ پر گامزن کر سکیں جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے :

(یَادَاوُودُ اِنَّا جَعَلْنَاکَ خَلِیفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ)[2]

اے داؤدہم نے آپ کو زمین پر اپنا جانشین بنایا ہے لہذا آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں.

---

(1)سورہ یوسف آیت :40.

(2)سورہ ص آیت26.

5۔ اطاعت میں توحید

اطاعت میں توحید سے مراد یہ ہے کہ حقیقی اور ذاتی طور پر خدائے بزرگ کی پیروی ضروری ہے لہذا بعض دوسرے افراد (جیسے پیغمبر، امام، فقیہ، باپ اور ماں) کی اطاعت کا لازم ہونا پروردگار عالم کے حکم اور ارادے سے ہے.

6۔ شریعت قرار دینے اور قانون گزاری میں توحید

قانون گزاری میں توحید سے مراد یہ ہے کہ شریعت قرار دینے اور قانون گزاری

کا حق فقط خداوند عالم کو ہے اسی بنیاد پر قرآن مجید ہر اس حکم کو جو حکم الہی کے دائرے سے خارج ہو اسے کفر، فسق اور ظلم کا سبب قرار دیتا ہے ملاحظہ ہو:

(وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنزَلَ الله فَاُوْلَئِکَ هُمْ الْکَافِرُونَ)[1]

اور جو لوگ بھی خدا کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں.

(وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنزَلَ الله فَاُوْلَئِکَ هُمْ الْفَاسِقُونَ)[2]

اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ فاسق ہیں.

(وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنزَلَ الله فَاُوْلَئِکَ هُمْ الظَّالِمُونَ)[3]

اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریںٞوہ ظالم ہیں.

---

(1)سورہ مائدہ آیت:44.

(2)سورہ مائدہ آیت:47.

(3)سورہ مائدہ آیت 45.

7۔ عبادت میں توحید

عبادت میں توحید کے سلسلے میں اہم ترین بحث "عبادت" کے معنی کی شناخت ہے کیونکہ سب مسلمان اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ عبادت صرف خدا سے مخصوص ہے اوراس کے علاوہ کسی اور کی پرستش نہ کی جائے جیسا کہ قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے:

(اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِینُ)[1]

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں.

قرآن مجید کی مختلف آیات سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کی دعوتوں کا بنیادی عنصر یہی عقیدہ تھا قرآن مجید اس سلسلے میں فرماتا ہے:

(وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِی کُلِّ اُمَّةٍ رَسُولاً اَنْ اُعْبُدُوا اللہ وَاجْتَنِبُواالطَّاغُوت)[2]

اور یقینا ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا تاکہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے اجتناب کرو.

لہذا اس مسلم الثبوت اصل میں کوئی شک نہیں کہ عبادت کا حق صرف خدا کا ہے اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کی جاسکتی نیزیہ کہ اس اصل پر ایمان نہ رکھنے والا موحد نہیں ہو سکتا.

---

(1)سورہ حمد آیت:4.

(2)سورہ نحل آیت:36.

لیکن ہماری گفتگو اس سلسلے میں ہے کہ "عبادت" اور غیر عبادت کی شناخت کا معیار کیا ہے؟

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنے استاد اور ماں باپ یا علماء اور مجتہدین کے ہاتھوں کا بوسہ لے یا اپنے ذوی الحقوق کا احترام کرے تو کیا اس کا یہ عمل ان کی عبادت شمار ہوگا؟ یا ایسا نہیں ہے بلکہ کسی کے مقابلے میں خضوع و خشوع کو عبادت نہیں کہتے بلکہ عبادت کے لئے ایک خاص صفت کا ہونا ضروری ہے ورنہ اس کے بغیر چاہے جس بھی طرح کا خضوع ہو عبادت نہیں کہلائے گا اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسی بنیادی صفت ہے جو کسی بھی طرح کے خضوع کو عبادت بنا سکتی ہے؟

لفظ عبادت کے غلط معنی

کچھ مصنفین نے اپنی کتابوں میں عبادت کے معنی خضوع اور یا زیادہ خضوع بیان کئے ہیں لیکن ان مصنفین کو قرآن مجید کی بعض آیات کے ترجمہ میں مشکل پیش آتی ہے کیونکہ ان آیتوں میں خداوند کریم نے صراحت سے یہ بیان کیا ہے کہ اس نے فرشتوں کو جناب آدم کا سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا ملاحظہ ہو:

(وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلاَئِکَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ)[1]

---

(1)سورہ بقرہ آیت:34.

اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو.

حضرت آدم کے لئے بعینہ اسی طرح سجدہ بجالایا گیا جس طرح خداوند کریم کے لئے سجدہ کیا جاتا تھا جبکہ جناب آدم کے سامنے یہ سجدہ خضوع اور تواضع کے اظہار کی خاطر انجام پایا تھا اور خدا کا سجدہ عبادت و پرستش کے طور پر بجالایا جاتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ ایک ہی طرح کے سجدوں میں کیسے دو مختلف حقیقتیں پیدا ہوگئیں؟

قرآن مجید ایک اور جگہ فرماتا ہے کہ جناب یعقوب نے اپنے بیٹوں کے ہمراہ جناب یوسف کے سامنے سجدہ کیا تھا:

(وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَاَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَا مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا"[1]

اور یوسف نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب انکے سامنے سجدے میں گر پڑے اور یوسف نے کہا: اے باباجان! یہی میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے بے شک میرے رب نے اسے سچ کر دکھایا ہے.

یہاں پر اس نکتے کا ذکر ضروری ہے کہ جناب یوسف نے پہلے خواب کی طرف اشارہ کیا تھا جس سے مراد وہی خواب تھا جس میں انہوں نے دیکھا تھا کہ چاند اور

---

(1)سورہ یوسف آیت:100.

سورج کے ہمراہ گیارہ ستارے ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں اس بات کو قرآن مجید نے یوں نقل کیا ہے:

انِّ رَاَيْتُ احَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِى سَاجِدِينَ)[1]

میں نے خواب میں گیارہ ستاروں اور آفتاب و مہتاب کو دیکھا ہے کہ یہ میرے سامنے سجدہ کررہے ہیں.

اس آیت میں گیارہ ستاروں سے جناب یوسف کے گیارہ بھائی اورچاند اور سورج سے ان کے ماں اور باپ مراد ہیں.

اس بیان سے واضح ہوجاتا ہے کہ نہ صرف حضرت یعقوب کے بیٹوں نے بلکہ خود جناب یعقوب نے بھی جناب یوسف کے سامنے سجدہ کیا تھا.

اب یہاں ہم یہ سوال کرنا چاہتے ہیں :

اس قسم کے سجدہ کو عبادت میں شمارکیوں نہیں کیا جاتا جبکہ سجدہ نہایت خضوع اور تواضع کے ساتھ بجالایا گیا تھا؟

عذر بدتراز گناہ

یہاں پرچونکہ مذکورہ مصنفین اس سوال کا جواب نہیں دے پائے لہذا یوں کہتے ہیں :

---

(1)سورہ یوسف آیت :4.

چونکہ اس قسم کا خضوع و خشوع پروردگارعالم کے حکم سے انجام دیا گیا تھا لہذا اسے شرک شمار نہیں کیاجا سکتا. لیکن یہ بات معلوم ہے کہ ان کی یہ تاویل کسی بھی اعتبار سے صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اگر کوئی عمل باعث شرک ہو تو خداوندعالم ہرگز اس کا حکم نہیں دے سکتا.

قرآن مجید فرماتا ہے:

(قُلْ انَّ اللہ لاَیَاْمُرُ بِالْفَحْشَائِ اَتَقُولُونَ عَلَی اللہِ مَا لاتَعْلَمُون)[1]

کہہ دیجئے اللہ یقینا برائی کا حکم نہیں دیتا. کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہو جن کا تمہیں علم ہی نہیں ؟

اصولی طور پر خداوندعالم کا حکم کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدلتا اگر ایک انسان کے مقابلے میں خضوع کرنا اس کی عبادت ہو اور خدائے بزرگ نیز اس کا حکم دے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا اپنی عبادت کا حکم دے رہا ہے.

مسئلے کا جواب اور عبادت کے حقیقی معنی کی وضاحت

یہاں تک یہ واضح ہوگیا کہ "غیر خدا کی عبادت کے ممنوع ہونے کے سلسلے میں" دنیا کے تمام موحد متفق ہیں اور دوسری طرف سے یہ بھی روشن ہوچکا ہے کہ فرشتوں کا

---

(1)سورہ اعراف آیت:28.

حضرت آدم کے سامنے اور حضرت یعقوب اور ان کے بیٹوں کا حضرت یوسف کے سامنے سجدہ کرنا ان کی عبادت نہ تھا اب ضروری ہے کہ ہم اس نکتے کی طرف توجہ دلائیں کہ وہ کون سی خاص صفت ہے جس کے نہ ہونے سے ایک عمل عبادت نہیں بن پاتا جبکہ اگر وہ پائی جاتی ہو تو وہی عمل عبادت شمار ہوتا ہے.

قرآنی آیات کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ کسی موجود کو خدا سمجھ کر اس کے سامنے خضوع کرنا یا اس کی طرف خدائی امور کی نسبت دینا اس کی عبادت کہلاتا ہے اس بیان سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ اگر کسی کو خدائی امور انجام دینے پر قادر سمجھتے ہوئے اس کے سامنے خضوع کیا جائے تو یہ عمل اسی کی عبادت شمار ہوگا .دنیا کے مشرک ایسے موجودات کے سامنے خضوع کیا کرتے تھے کہ جنہیں وہ مخلوق خدا تو سمجھتے تھے لیکن وہ اس بات کے معتقد تھے کہ کچھ خدائی امور جیسے کہ گناہوں کی بخشش ، اور حق شفاعت انہیں موجودات کو سونپ دیئے گئے ہیں .

سرزمین بابل کے کچھ مشرک آسمانی ستاروں کو اپنا رب اور دنیا اور انسانوں کی تدبیر کا مالک سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے لیکن انہیں اپنا خالق نہیں سمجھتے تھے حضرت ابراہیم نے بھی اسی اصل کی بنا پر اپنی قوم کے ساتھ مناظرہ کیا تھا کیونکہ سرزمین بابل کے مشرک ہرگز سورج چاند اور ستاروں کو اپنا خالق نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ انہیں ایسی باقدرت مخلوق سمجھتے تھ

جنہیں ربوبیت اور دنیا کی تدبیر سونپ دی گئی تھی قرآنی آیات میں بھی حضرت ابراہیم اور مشرکین بابل کے درمیان مناظرے میں لفظ رب کو محور قرار دیتے ہوئے[1]بیان کیا گیا ہے اور یہ واضح ہے کہ لفظ رب کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو اپنا صاحب اور اپنی مملوک کے امور کا مدبر قرار دیا جائے. عربی زبان میں گھر کے مالک کو"رب البیت"اور کھیتی باڑی کے مالک کو رب الضیعہ کہتے ہیں اس لئے کہ گھر اور کھیتی باڑی کی تدبیر ان کے مالکوں کے ذمے ہوتی ہے.

قرآن مجید مشرکین کے مقابلے میں صرف خداوندعالم کو اس نظام ہستی کا رب اور مدبر قرار دیتا ہے اور سب کو خدائے یگانہ کی پرستش کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے:

ِانَّ اللہ رَبِّی وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوہُ ہَذَا صِرَاطی مُسْتَقِیم [2]

اللہ میرا رب اور تمہارا بھی رب ہے لہذا اس کی عبادت کرو کہ یہی سیدھا راستہ ہے.

ایک اور جگہ فرماتا ہے:

(ذَلِکُمْ اللہ رَبُّکُمْ لا اِلَہَ اِ لاَّ ہُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْئٍ فَاعْبُدُوہُ)[3]

وہی اللہ تمہارا پروردگار ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا خالق ہے لہذا اس کی عبادت کرو.

---

(1)سورہ انعام آیت 76 تا 78.

(2)سورہ آل عمران آیت 51.

(3)سورہ انعام آیت: 102.

اس طرح قرآن مجید سورۂ دخان میں فرماتا ہے:

(لاَاِلَهَ اِلاَّ هُوَ يُحْيِ وَيُمِيتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمْ الْاَوَّلِينَ)[1]

اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندگی اور موت دیتا ہے وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے آبائو اجداد کا بھی رب ہے.

اسی طرح قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ کے قول کو یوں نقل کیا ہے:

(وَقَالَ الْمَسِيحُ يَابَنِي اِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا الله رَبِّي وَرَبَّكُمْ)[2]

اور مسیح نے کہا : اے بنی اسرائیل تم اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے.

گذشتہ بیانات کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ ہروہ خضوع جو کسی مخلوق کے سامنے اسے رب اور خدا سمجھے بغیریا اس کی طرف خدائی امور کی نسبت دیئے بغیر انجام دیا جائے وہ ہرگز عبادت شمار نہیں کیا جاسکتا اگرچہ یہ خضوع حد سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوجائے اس اعتبار سے امت کا پیغمبراکرم ﷺ یا اپنے والدین کے سامنے انہیں خدا قرارنہ دیتے ہوئے خضوع وخشوع کرنا ہرگز ان کی عبادت شمار نہیں کیا جاسکتا. اسی بنیادپر بہت

سے موضوعات جیسے اولیائے الہی سے منسوب چیزوں کو متبرک سمجھنا ،حرم کے دروازوں، دیواروں اور ضریحوں کو چومنا، خدا کی بارگاہ میں اولیائے الہی سے متوسل ہونا، اولیائے الہی کو پکارنا، ان کے ایام ولادت میں جشن منانا اور محفلیں برپا کرنا اور ان کے ایام وفات و شہادت میں مجلسیں منعقد کرنا ہرگز اولیائے الہی کی عبادت شمار نہیں کیا جاسکتا اگرچہ بعض ناآگاہ افراد ان کاموں کو غیر خدا کی عبادت اور شرک سمجھتے ہیں جبکہ ان سارے کاموںکو کسی بھی طرح سے غیر خدا کی عبادت اور شرک شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

---

(1)سورہ دخان آیت8

(2)سورہ مائدہ آیت:72.

فہرست

حرف اول 5

پیش گفتار 8

پہلا سوال 10

"وعترتی اہل بیتی" صحیح ہے یا "وسنتی"؟ 10

حدیث "واہل بیتی" کی سند 11

لفظ "وسنتی" والی حدیث کی سند 13

ان دو کے بارے میں علمائے رجال کا نظریہ 14

حدیث "وسنتی" کی دوسری سند 17

حدیث "وسنتی" کی تیسری سند 19

سند کے بغیر متن کا نقل 20

حدیث ثقلین کا مفہوم 22

دوسرا سوال 25

شیعہ سے کیا مراد ہے؟ 25

تیسرا سوال 27

کیوں حضرت علی ہی پیغمبر ﷺ کے وصی اور جانشین ہیں ؟ 27

1۔ آغاز بعثت میں : 27

2۔ غزوۂ تبوک میں 28

3۔ دسویں ہجری میں 29

چوتھا سوال 32

"ائمہ" کون ہیں ؟ 32
پانچواں سوال 35
حضرت محمد ﷺ پر صلوات پڑھتے وقت کیوں آل کا اضافہ کرتے ہیں اور: اللّٰھم صل علی محمد و آل محمد کہتے ہیں ؟ 35
چھٹا سوال 37
آپ اپنے اماموں کو معصوم کیوں کہتے ہیں ؟ 37
ساتواں سوال 40
اذان میں أشھد أن علیًا ولی اللہ کیوں کہتے ہیں اور حضرت علی کی ولایت کی شہادت کیوں دیتے ہیں ؟ 40
آٹھواں سوال 44
مہدی آل محمد علیہ السلام کون ہیں اور انکا انتظار کیوں کیا جاتا ہے؟ 44
نواں سوال 47
اگر شیعہ حق پر ہیں تو وہ اقلیت میں کیوں ہیں ؟ اور دنیا کے اکثر مسلمانوں نے ان کو کیوں نہیں مانا ہے؟ 47
دسواں سوال 51
رجعت کیا ہے اور آپ اس پر کیوں عقیدہ رکھتے ہیں ؟ 51
1۔ رجعت کا فلسفہ 56
2۔ رجعت اور تناسخ [1] کے درمیان واضح فرق 57
گیارہواں سوال 59
جس شفاعت کا آپ عقیدہ رکھتے ہیں وہ کیا ہے؟ 59
شفاعت کا دائرہ 60
شفاعت کا فلسفہ 62

شفاعت کا نتیجہ.. 62
بارہواں سوال 63
کیا حقیقی شفاعت کرنے والوں سے بھی شفاعت کی درخواست کرنا شرک ہے؟.. 63
تیرہواں سوال.. 69
کیا غیر خدا سے مدد مانگنا شرک ہے؟.. 69
چودہواں سوال 73
کیا دوسروں کو پکارنا ان کی عبادت اور شرک ہے؟ 73
پندرہواں سوال.. 79
"بدائ" کیا ہے اور آپ اس کا عقیدہ کیوں رکھتے ہیں ؟ 79
بداء کا فلسفہ.. 83
سولہواں سوال 84
کیا شیعہ قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں ؟ 84
سترہواں سوال 98
صحابۂ کرام کے بارے میں شیعوں کا کیا نظریہ ہے؟ 98
صحابی قرآن مجید کی نگاہ میں.. 100
پہلی قسم.. 101
1۔دوسروں پر سبقت لے جانے والے.. 101
2۔درخت کے نیچے بیعت کرنے والے 102
3۔ مہاجرین.. 102
4۔ اصحابِ فتح.. 103

دوسری قسم 104

1۔ معروف منافقین 104

2۔ غیر معروف منافقین 104

3۔ دل کے کھوٹے 105

4۔ گناہ گار 105

اٹھارہواں سوال 109

متعہ کیا ہے اور شیعہ اسے کیوں حلال سمجھتے ہیں ؟ 109

انیسواں سوال 119

شیعہ خاک پر کیوں سجدہ کرتے ہیں ؟ 119

بیسواں سوال 131

شیعہ حضرات زیارت کرتے وقت حرم کے دروازوں اور دیواروں کو کیوں چومتے ہیں اور انہیں باعث برکت کیوں سمجھتے ہیں ؟ 131

اکیسواں سوال 137

کیا اسلام کی نگاہ میں دین سیاست سے جدا نہیں ہے؟ 137

پیغمبر خدا ﷺ اسلامی حکومت کے بانی ہیں 138

بائیسواں سوال 146

شیعہ ، حضرت علی بن ابی طالب کے بیٹوں (امام حسنؑ اور امام حسینؑ) کو رسول خدا ﷺ کے بیٹے کیوں کہتے ہیں ؟ 146

تیئیسواں سوال 152

شیعوں کے نزدیک یہ کیوں ضروری ہے کہ خلیفہ کو خدا اور رسول ﷺ ہی معین فرمائیں؟ 152

عصر رسالت کے حالات کا تجزیہ بتاتا ہے کہ خلیفہ کو نص کے ذریعہ معین ہونا چاہئے۔...............................153
اس کی وضاحت 153
رسول خدا ﷺ کی حدیثیں..156
چوبیسواں سوال 157
کیا غیر خدا کی قسم کھانا شرک ہے؟ 157
پچیسواں سوال...164
کیا اولیائے خدا سے توسل کرنا شرک اور بدعت ہے؟ 164
توسل کی قسمیں 165
1۔نیک اعمال سے توسل؛ 165
2۔خدا کے نیک بندوں کی دعاؤں سے توسل !...166
3۔قرب الہی کے حصول کیلئے خداوند کریم کے محترم اور مقدس بندوں سے توسل: 167
چھبیسواں سوال..172
کیا اولیائے خدا کی ولادت کے موقع پر جشن منانا بدعت یا شرک ہے؟.....................................172
1۔ان کی یاد منانے میں محبت کا اظہار ہوتا ہے۔..172
2۔پیغمبر اکرم ﷺ کی یاد منانا آنحضرت ﷺ کی تعظیم کا اظہار ہے 173
4۔وحی کا نازل ہونا دسترخوان کے نازل ہونے سے کم نہیں ہے...175
5۔ مسلمانوں کی سیرت..176
ستائیسواں سوال 178
شیعہ پانچ نمازوں کو تین اوقات میں کیوں پڑھتے ہیں ؟ 178
نتیجہ:...195

اٹھائیسواں سوال..200
شیعوں کی فقہ کے ماخذ کون سے ہیں ؟ 200
کتاب خدا؛ قرآن مجید...200
سنت..202
حضرت رسول اکرم ﷺ کا قول و فعل اور کسی کام کے سلسلے میں 202
احادیث اہل بیت سے تمسک کے دلائل...204
الف: ائمہ معصومین کی احادیث کی حقیقت..204
عترت رسول ﷺ کی احادیث کی حقیقت...204
اہل بیت پیغمبر ﷺ سے تمسک کے اہم اور ضروری ہونے کے دلائل 207
اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کون ہیں ؟ 210
نتیجہ:...214
انتیسواں سوال 216
کیا ابوطالب ایمان کے ساتھ اس دنیا سے گئے ہیں کہ آپ ان کی زیارت کے لئے جاتے ہیں ؟...............216
خاندان جناب ابوطالب 216
عبدالمطلب کی نگاہ میں ابوطالب 218
جناب ابوطالب کے مومن ہونے کی دلیلیں..222
1۔جناب ابوطالب کے علمی اور ادبی آثار...222
2۔جناب ابوطالب کا پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ نیک سلوک ان کے ایمان کی علامت ہے...............225
3۔ابوطالب کی وصیت ان کے ایمان کی گواہ ہے...227
4۔پیغمبر..228

5۔ حضرت علی اور اصحاب رسول ﷺ کی گواہی............ 231
6۔ ابوطالب اہل بیت کی نگاہ میں 233
حدیث ضحضاح کا تحقیقی جائزہ 236
حدیث ضحضاح کے سلسلہ سند کا باطل ہونا............ 237
الف: "سفیان بن سعید ثوری" 237
ب: عبدالملک بن عمیر 238
ج: عبدالعزیز بن محمد دراوردی 239
د: لیث بن سعد............ 240
نتیجہ 242
تیسواں سوال............ 243
کیا شیعوں کی نظر میں جبرئیل نے منصب رسالت کے پہنچانے میں خیانت کی ہے اور کیا یہ صحیح ہے کہ انہوں نے حضرت علی کے بجائے قرآن مجید کو رسول اکرم ﷺ پر نازل کیا ہے؟............ 243
اس تہمت کا اصلی سبب............ 243
شیعوں کی نگاہ میں منصب نبوت 245
اکتیسواں سوال 249
تقیہ کا معیار کیا ہے؟ 249
قرآن کی نگاہ میں تقیہ 249
تقیہ شیعوں کی نگاہ میں............ 251
نتیجہ 252
بتیسواں سوال............ 253

ایران کے بنیادی قانون میں کیوں جعفری مذہب (شیعہ اثنا عشری) کو حکومت کا مذہب قرار دیا گیا ہے؟ 253
جعفری مذہب کی تعیین کا معیار 254
ایران میں دوسرے اسلامی مذاہب کا درجہ..........254
تینتیسواں سوال..........256
کیا شیعہ نماز وتر کو واجب سمجھتے ہیں ؟..........256
چونتیسواں سوال..........258
کیا اولیائے خدا کی غیبی طاقت پر عقیدہ رکھنا شرک ہے؟ 258
قرآن مجید کی نظر میں اولیائے الہی کی غیبی طاقت 260
1۔ حضرت موسیٰ کی غیبی طاقت 261
حضرت عیسیٰ کی غیبی طاقت..........261
حضرت سلیمان کی غیبی طاقت..........262
پینتیسواں سوال..........263
کیوں منصب امامت منصب رسالت سے افضل ہے؟ 263
1۔ منصب نبوت..........263
2۔ منصب رسالت..........264
3۔ منصب امامت..........265
منصب امامت کی برتری..........269
چھتیسواں سوال 273
توحید اور شرک کی شناخت کا معیار کیا ہے؟..........273
1۔توحید ذاتی 274

2۔ خالقیت میں توحید.......... 275
3۔تدبیر میں توحید 276
4۔حاکمیت میں توحید.......... 277
5۔اطاعت میں توحید.......... 279
6۔شریعت قرار دینے اور قانون گزاری میں توحید.......... 279
7۔عبادت میں توحید.......... 280
لفظ عبادت کے غلط معنی 281
عذر بدتر از گناہ 283
مسئلے کا جواب اور عبادت کے حقیقی معنی کی وضاحت 284